بنی نوع انسان کی ابتدائی تاریخ طوفانِ
نوع سے لے کر سکندر اعظم کے وقت تک

قدیم تاریخ

ضیاء الدین اکمل

نبی نوع انسان کی ابتدائی تاریخ طوفان نوح سے لے کر سکندر اعظم کے وقت تک

قدیم تاریخ

ضیاء الدین اکمل

باذوق لوگوں کے لئے خوب صورت اور معیاری کتاب

بیادِ

Hasan Deen
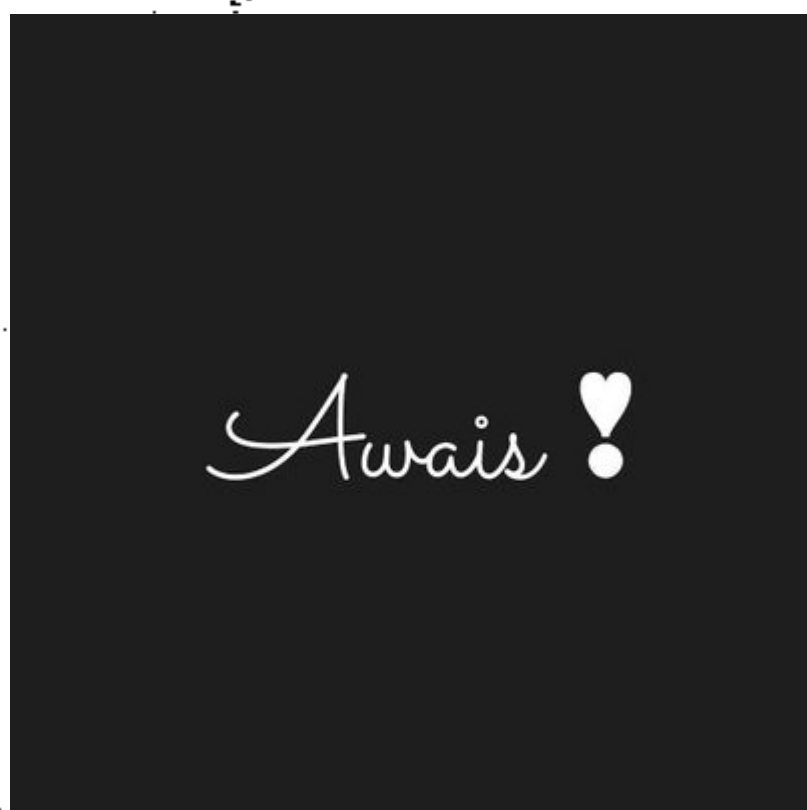
نام کتاب	قدیم تاریخ
تعداد	500
ایڈیشن	2009ء
قیمت	-/180روپے

عرض ناشر

محترم قارئین!

تاریخ وہ موضوع ہے جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔اس موضوع پر ابتدائے آفرینش سے اب تک لاکھوں کروڑوں کتابیں دنیا کی ہر زبان میں لکھی جا چکی ہیں اور تا قیامت لکھی جاتی رہیں گی۔ کیونکہ گزرتا ہوا ہر پل تاریخ کا حصہ بن جاتا ہے۔ جو قومیں تاریخ کے گمشدہ اوراق کو دیدۂ عبرت سے دیکھتی ہیں وہ اپنی ہم عصر اقوام میں سربلند رہتی ہیں لیکن محض تفریح طبع کے لئے پڑھنے والے خود عبرت کا منظر بن کر رہ جاتے ہیں۔

ہم نے اپنے ادارہ ''سٹی بک پوائنٹ'' کے تحت آپ حضرات کے لئے اب تک تاریخ کے موضوع پر لکھی گئی کئی کتابیں شائع کی ہیں اور اللہ رب العزت کے لاکھ لاکھ شکر گزار ہیں کہ ان تمام کتابوں کو زبردست پذیرائی ملی ہے۔اس مرتبہ ہم آپ کے سامنے دنیا کی قدیم ترین اقوام کی تاریخ پر لکھی گئی ایک زبردست کتاب پیش کر رہے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1904ء میں طبع ہوئی۔اس کتاب کے مصنف جناب ضیاء الدین اکمل نے کئی ملکوں کا سفر کیا۔ دنیا کے قدیم ترین کھنڈرات کا معائنہ کیا اور وہاں سے برآمد ہونے والے قدیم کتبوں کی مدد سے اپنی یہ معرکتہ الآرا تصنیف مکمل کی۔ تقریباً 90 سال سے یہ کتاب پردۂ گمنامی میں چھپی ہوئی تھی جسے اب ہم نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔امید ہے کہ حسبِ سابق آپ حضرات اسے بھی پذیرائی بخشیں گے۔

آصف حسن

03002715890

فہرست

دیباچہ

ہستی ناپائیدار کا گلہ کسے نہیں۔ ہزار چاہتے ہیں کہ اس دنیائے دوں کی حقیقت کسی قدر تو معلوم کریں۔ مگر بحر کائنات بے پایاں ہے اور زندگی چندروزہ۔

اِدھر مکان بنا اور اُدھر مزار کُھدا　　اِدھر لباس اُدھر ہے کفن کی تیاری

یوں تو ہم نظام فلکی پر بحث کرتے بال کی کھال نکالتے ہیں۔ستاروں کے طول وعرض پر اربعہ جماتے ہیں۔مگر اے فلاسفران عالی خیال واے عالمان زمانہ حال کیا آپ اس خاک ناچیز کے ایک ذرہ کی بھی حقیقت بیان کر سکتے ہیں۔نہیں ہرگز نہیں۔اگر دنیا میں میں ہمیں۔بجائے سو سال کے ہزار سال رہنا ہو۔ پھر بھی ہماری ساری واقفیت اس بحر کائنات کا کب پتہ لگا سکتی ہے۔

مگر اس دنیائے فانی میں ہماری زندگانی قدرت اور اس کے قوانین پہچاننے پر منحصر ہے۔اگر ہمیں آگ کی خاصیتیں معلوم نہ ہوتیں۔تو کیونکر قطب شمالی تک پہنچ سکتے سردی کی شدت ہمارا قدم منطقہ حارہ سے آگے نہ بڑھنے دیتی۔اگر ہم پانی کے مختلف خواص کا مطالعہ نہ کرتے۔تو کیونکر ایک براعظم سے دوسرے براعظم کو جا سکتے۔چاند کیوں زمین کے گرد گردش کرتا ہے اور زمین کیوں سورج کے گرد گھومتی ہے۔

مری طرح سے مہ و لہر بھی ہیں آوارہ　　کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

یہ سب انتظام حکومت حکمت سے خالی نہیں۔اگر ہمیں اپنی بھلائی منظور ہے۔تو ہر ایک امر میں اس حکیم مطلق کے ارادوں سے آگاہی حاصل کریں۔یہ کائنات ایک معمہ ہے۔جو آج تک نہ تو کسی سے حل ہو سکا ہے اور نہ آئندہ حل ہو سکے گا۔مگر ہاں جوں جوں ہم اپنی عقل وفہم سے کام لیں گے۔کسی نہ کسی قدر حق کے قریب پہنچتے جائیں گے۔خدائے لایزال ہماری محنتوں کو ضائع نہیں

ہونے دے گا۔

روز بے برگی بہ وصل حافظ گر طاقت انتظار داری

نہیں تو یاد رکھنا۔ ایک نہ ایک دن دنیا فنا ہو جائے گی اور وہ کام جس کے سرانجام کرنے کے لئے پروردگار نے ہمیں ہزاروں سال دیئے ہیں۔ اس آخری لحظہ میں پورا نہ ہو سکے گا۔ زمین کیا ہے۔ جلتی آگ کا کوئلہ ہے۔ جس کی راکھ پر ہم مسکن گزین ہیں۔ عالمان جغرافیہ کہتے ہیں کہ روئے زمین پر پانی خشکی سے زیادہ ہے۔ مگر یہ خشکی اور تری اس جلتے ہوئے کوئلے کی راکھ ہیں۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ زمین ایک آتش عظیم کی کان ہے۔ آگ کا قاعدہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا ہے گھٹتی چلی جاتی ہے۔ الغرض زمین کی حرارت سال بہ سال روز بروز کم ہو رہی ہے۔ طوفان نوح سے پہلے ہاتھی سے چار گنے بڑے جانور تھے۔ سائبیریا میں ماموتھ کی ہڈیاں اب تک پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ایک جانور جو ہزاروں سال ہوئے برف کے نیچے دب کر رہ گیا تھا۔ کھودنے سے دستیاب ہوا اور چونکہ برف میں جسم سڑ نہیں سکتا اس لئے مہیب جانور کے تمام اعضا بلکہ پشم تک صحیح اور سالم تھے۔ اب اتنے عرصے کے بعد زمین کی حرارت اس قدر کم ہو گئی ہے کہ یہ تن آور جانور زندہ نہیں رہ سکتے۔ امریکہ میں کانوں کے کھودنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں وہاں اب سے پچاس ساٹھ گنے بڑے درخت موجود تھے۔ مگر اب کافی حرارت نہ ہونے کی وجہ سے اتنا بڑا درخت پیدا نہیں ہو سکتا۔

یہ کہنا ہزار درجہ اس سے بہتر ہو گا کہ جب زمین کے اندر آتش سوزاں ہے اور آگ کا کام جل کر بجھ جانا ہے تو ایک نہ ایک دن ہماری محسن زمین ہماری رفاقت سے پہلو تہی کرے گی۔ پس ہماری خیر اسی میں ہے کہ اس مختصر اور عارضی وقت کو ایسے کام میں لائیں اور اپنے تئیں قوانین قدرت سے ایسا متناسب بنائیں کہ دم اخیر ہمیں پچھتانا نہ پڑے۔

اڑی خوشبوئے گل ہے رنگ و روئے نسترن پھیکا
بہ خجلت پھول چن ہونے کو ہے رنگ چمن پھیکا

کوئی آخرت کے معتقد ہیں۔ کوئی تناسخ کو مانتے ہیں۔ مگر اس بات کا تو کوئی بھی قائل نہیں کہ بعد از مرگ ہماری ارواح کرۂ زمین کو چھوڑ جاتی ہیں۔ پس مردہ یا زندہ بہرصورت ہم زمین کی قسمت میں شریک ہیں۔ اگر زمین کی یہ حالت ہوتی ہے۔ جیسا کہ آج کل کی معلومات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک تو زمین کی حرارت کم ہو رہی ہے اور دوسرا بوجہ سورج کی کشش کے زمین ہمیشہ گردش کرتے کرتے سورج سے قریب ہوتی جاتی ہے۔ تو اس وقت جبکہ زمین سورج کی خطرناک کشش

میں پہنچ کر 65 روز کے اندر اس آتش فشاں ناپیدا کنار میں جا گرے گی۔ جیسا کہ سوئی سنگ مقناطیس کی طرف دوڑتی ہے تو کیا اگر اس وقت تک ہم زمین پر رہے تو اس ہیبت ناک واقعہ کے نتائج سے بچ رہیں گے۔

مگر اس خالق لایزال کا مقصد ہمیشہ بھلائی ہے۔ اگر دوربین سے دیکھیں تو اس کائنات میں پندرہ کروڑ کے قریب سورج دکھائی دیتے ہیں۔ جو سب کے سب ہمارے سورج سے بڑے ہیں اور ہر ایک سورج کے گرد بے شمار ستارے اور زمینیں دکھائی دیتی ہیں۔ کیا اتنی عظیم الشان خدائی کا مالک اس بالشت بھر کی زمین کو فنا کر کے راضی ہو گا۔ فنا کرنا اس کی عادت نہیں۔ آگ جل کر فنا نہیں ہو جاتی۔ اس کے اجزا ہوا سے مرکب ہو جاتے ہیں۔ پانی اگر ہماری نظر سے غائب ہو جاتا ہے تو پھر بھی صفحہ ہستی سے دور نہیں ہوتا۔ فنا ہو جانا کسی شے کا ہمارے میدان واقفیت سے پرے چلے جانے کا نام ہے۔ اس نظام فلکی کے یہ نتائج جو ہمیں اس قدر مہیب اور مہلک نظر آتے ہیں۔ بھلائی اور حکمت سے خالی نہیں۔ جوں جوں زمین کی حرارت گھٹ رہی ہے اس کا فاصلہ سورج سے کم ہو رہا ہے تا کہ سردی کی شدت سے حیوانات مر نہ جائیں۔ جس وقت زمین کی اندرونی آگ بجھنے کو آ جائے گی۔ تو کشش کی وجہ سے سورج میں جا گرے گی اور رفتہ رفتہ سورج کی گرمی پایۂ اعتدال کو پہنچ جائے گی۔ تو وہ مادے جو تصعید کی وجہ سے سورج سے دور دور ہوا میں تیرتے ہیں قریب آتے جائیں گے۔ حتیٰ کہ منجمد ہو کر اس آتش سوزاں کی سطح پر طبقہ بعد طبقہ جم جائیں گے اور اس مہر درخشاں کو ایک نئی زمین بنا دیں گے۔ یہ زمین جس پر ہم آج آباد ہیں ایک زمانے میں ایک چھوٹا سا سورج ہو گی۔ حرارت کے کم ہونے پر نباتات اور حیوانات کی رہائش کے قابل ہوئی۔ یہ کروڑوں قوی ہیکل پہاڑ جو جا بجا سطح زمین پر نظر آتے ہیں، کیا ہیں؟ جب ابتدا میں آگ کے گرد طبقہ بنے۔ تو زمین کی اندرونی حرارت اس قدر طاقت ور تھی کہ مختلف طبقوں سے مادے پگھل پگھل کر باہر آتے تھے۔ اب زمین کی حرارت پہلے کی نسبت بدرجہا کم ہے۔ اس لئے پہلے ایسے بلند اور قد آور پہاڑ نہیں بنتے۔ ہاں آتش فشاں مقامات میں اب بھی گاہے گاہے یہ تعجب انگیز نظارے دیکھ سکتے ہیں۔ معدودے چند آتش فشاں پہاڑ ہیں جو اب تک موجود ہیں۔ رفتہ رفتہ کمزور ہو رہے ہیں۔ میرے یہ سب بیانات علم نجوم و طبعی پر مبنی ہیں۔ ہر ایک بیان کے لئے ہزاروں ثبوت کارخانۂ قدرت میں موجود ہیں۔ جن پر ذرا سے غور کرنے سے عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ اس کتاب کا مضمون اور ہے اس لئے فی الحال میں ان دلچسپ اور طویل بیانات کو نظر انداز کرتا ہوں۔

وہی باتیں جن کا چودہ سو سال پیشتر محمد ﷺ نے قیامت کے آثاروں میں ذکر کیا ہے۔ آج

منجمان عالم کی سالہا سال کی کوششوں کے بعد ثابت ہو رہی ہیں۔ زمانۂ قدیم میں کہنے والے کا جذبہ صداقت دلوں میں گھر کر جاتا تھا۔ مگر اب نہ وہ کہنے والے اور نہ وہ سننے والے باقی ہیں۔ ہاں بفضل خدا ہماری معلومات پہلے کی نسبت بدرجہا زیادہ ہیں۔ پس طالبان حقیقت کی تفصیل وتشریح سے کیوں نہ تسلی کریں۔

جب تک یہ نظام فلکی بحال ہے۔ زمین اور ستاروں کی گردشیں بدستور ہیں اور جب تک ہمارے جسم میں خون اور خون میں حرکت باقی ہے ہمارے لئے لازم ہے کہ اس محدود حصہ کائنات میں جہاں ہمارے تعلقات ہیں۔ اپنی معلومات کو بڑھائیں اور ہر ایک معاملے میں قانون قدرت کے اصول پہچان کر اپنے آئندہ افعال اور خیالات کے تصحیح کی کوشش کریں۔ مگر ہماری عمر کوتاہ اور کارخانہ قدرت وسیع ہے۔ اس لئے ہمیں ان اصولوں کے دریافت کرنے کے لئے نہایت مختصر طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ تاریخ قدیم سب سے اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ تاریخ کیا ہے۔ ایک حکیم ہے۔ جس نے ہزاروں سالوں کے تجربے سے ہمارے لئے بے بدل نسخہ تیار کر رکھے ہیں۔ یہ تاریخ ہی ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ طرح طرح کی آب و ہوا میں انسان کے خیالات نے کیا کیا طریقہ اختیار کیا اور کس طرح کی تہذیب میں ترقی کی۔ اب سے آٹھ ہزار سال پہلے روئے زمین کا مذہب کیا تھا اور اب اتنے کثیر التعداد مذہب کیوں پائے جاتے ہیں؟ کن کن قوموں نے دوسروں پر فضیلت حاصل کی اور ان کی فضیلت حاصل کرنے کی وجوہات کیا تھیں۔ ان دلچسپ سوالات کے جوابات کے لئے ناچار ہمیں تاریخ ہی کو کھولنا پڑتا ہے۔

اگر ہم میدان ترقی میں قدم رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں نہ صرف انگلستان ہی کی ترقی کے وجوہات پر نظر کرنی چاہیے۔ خالدین، اسرین، بابلونی، فارسی، یونانین اور رومن اقوام کی بھی ترقیوں پر غور کرنا چاہیے۔ صرف ایک ہی مثال سے نتائج وضع کرنا غلطی ہے۔ اگر انگلستان اقوام مذکورہ بالا کے حالات سے واقف نہ ہوتا تو یہ عروج کہاں سے حاصل ہو سکتا۔ جب ہمیں قوت امتیاز ہے تو تہذیب قدیم کا مطالعہ کر کے اپنے لئے کیوں مفید راستہ تلاش نہ کریں اور بے سوچے سمجھے نقل کرنے کے برے نتائج جن سے آج یورپ کی تہذیب معرض خطر میں ہے، کیوں نہ بچیں۔ جس وقت یورپ والوں نے اقوام مذکورہ بالا کی نقل کرنی شروع کی تو اس وقت وہ جاہل مطلق اور بے علم تھے۔ مگر بفضل خدا ہند پر نہ تو آج اور نہ دو ہزار سال پہلے یہ لفظ اطلاق کر سکتا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی عقل وتمیز سے کام نہ لیں اور اپنے لئے ایسی تہذیب بنا دیں جو ہمارے ہم عصروں کو باعث رشک اور ہماری اولاد کے لئے اکسیر نہایت ہو۔

میں نے اس کتاب کو کن وسائل سے تحریر کیا

روم کے قدیمی حالات تمام مہذب قوموں کے لئے باعث دلچسپی رہے ہیں۔ پرانے قصوں اور مذہبی کتابوں کے بموجب طوفان نوح کے بعد انسان نے اسی ملک میں سب سے پہلے ظہور کیا ہے۔ باغ عدن یہیں واقع تھا۔ بابل کا مینار جہاں توریت کے بموجب لوگوں کی زبانوں میں اختلاف پڑ گیا تھا۔ اسی سرزمین سے منسوب ہے۔ زمانہ قدیم کے دو قدیمی شہر بابلون اور نینوا جن کا نام باشندگان عالم کو کبھی فراموش نہ ہوگا۔ روم ہی میں ایک دریائے فرات اور دوسرا دریائے دجلہ پر واقع تھا۔ اس حیرت انگیز ملک کو دیکھنے کے لئے ہمیشہ دور دور کے لوگ آیا کرتے تھے۔ مگر باوجود اس قدر شوق اور سرگرمی کے وہاں کی قدیمی تاریخ کا کھوج نکالنے کے لئے ہمارے پاس کوئی معتبر ذریعہ نہ تھا۔ یوں تو یونان کے دو مشہور مؤرخین بیروسس اور ہیروڈوٹس نے اس ملک میں پھر پھر کر وہاں کی پرانی حکایات اور قصوں کو پوچھ پوچھ کر تحریر کیا تھا۔ مگر ان دونوں کے بیانات میں اس قدر اختلافات تھے کہ کسی ایک پر باور کرنا محال تھا۔ ہاں یورپین اندھادھند ہیروڈوٹس کو معتبر تسلیم کرتے تھے۔

1842ء میں فرانس نے ایک عالم مسمی بوٹا کو سفیر مقرر کر کے روم کو روانہ کیا۔ شہر موصل کو پہنچنے پر بوٹا کو طرح طرح کے کھنڈرات کے ملاحظہ کرنے پر خیال آیا کہ اگر گری ہوئی عمارت کی زمین کو کھودا جائے تو شاید وہاں سے پرانے زمانے کے کوئی برتن وغیرہ دستیاب ہوں گے۔ مگر اس بیچارے فرانسیس کو کیا معلوم تھا کہ یہ وسیع کھنڈرات واقعات کا خزانہ بن جائیں گے۔ جن سے تاریخ کی عمر میں ہزاروں سال کا اضافہ ہوگیا۔ سلطان صاحب نے اس معاملے میں خوب مدد دی اور کھدائی سے عمارات قدیم کے کھوج ملنے لگے۔ فرانس نے بھی وہاں علماء کو بھیجا تاکہ چپے چپے پر غور کر کے ان قدیمی عمارتوں کے نشان معلوم کریں۔ وہاں سے ہزاروں طرح کی پرانی اینٹیں جن پر کچھ منقوش تھا اور بے تعداد کتبے میسر آئے۔ جن سے قسطنطنیہ کا عجائب گھر اور یورپ کے اور نامی عجائب خانے پُر کئے گئے۔ ان کتبوں کی صرف پرانے ہونے کی وجہ سے قدر کی جاتی تھی۔ مگر یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ ان پر کیا لکھا ہے۔ چونکہ اینٹوں پر بے ڈھنگے نقش تھے۔ عالمان یورپ کو شک پڑا کہ شاید یہ لفظ ہی نہ ہوں۔ اور آخر گروٹفند نامی ایک عالم نے ان کتبوں کی زبان اور طرز تحریر کو پڑھنے کا راستہ نکالا۔ اس تحریر کی آسانی کو دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ کہ اس معمولی سی بات پر بڑے بڑے عالموں نے سالوں تک سر ٹپکے ہیں۔ ایران میں کھدائی کرنے سے بھی بہت سے کتبے وصول ہوئے ہیں۔

جن کے پڑھنے میں ایک انگریز مسمے رانسن نے لیاقت ظاہر کی۔ مجھے اس کتاب میں حالات روم کے لئے تو مسٹر اوپیرا (ایک فرانسیسی) اور فارس کے متعلق مسٹر رانسن کی تصانیف سے مدد ملی ہے اور سب سے زیادہ چارلس اسمتھ کا ممنون ہوں جس نے بار دیگر روم میں کھدائی کر کے بہت سے اور کتبے پائے ہیں اور ان بے تعداد کتبوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے۔ الغرض اس قسم کی بہت سی طول طویل کتابوں کو پڑھ کر جو ہر ایک مصنف کے سفر کے حالات اور بے شمار غیر ضروری کتبوں سے پر ہیں۔ میں نے اس مختصر کتاب کے لئے مضمون جمع کیا ہے اور اسے سلسلہ وار تاریخ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

اس کتاب کو تحریر کرنے کی وجوہات

میرا پیشتر ارادہ تھا کہ مذہب اور تہذیب پر ایک کتاب تحریر کروں۔ مگر مناسب ہے۔ پہلے تاریخ قدیم کے متعلق اہل وطن کے معلومات کو بڑھایا جائے تا کہ اس ضروری مضمون پر غور کرتے وقت ان کی نظر دور تک پہنچ سکے۔ گو مصر اور ہندوستان نے بھی زمانہ قدیم میں تہذیب میں بے مثال ترقی کی ہے مگر بوجوہات چند میں اس کتاب کو ان ملکوں کے حالات لکھ کر طویل کرنا نہیں چاہتا۔ مصر کی تہذیب نے زمانہ قدیم میں آس پاس کے ملکوں پر بہت تھوڑا اثر کیا ہے کیونکہ ہندوستان کی طرح مصر ہمیشہ غیر ملکوں کی جنگ آور قوموں سے دبا رہا ہے اور مفتوح ملک کی تہذیب خواہ کتنی ہی اعلیٰ ہو نام آوری حاصل نہیں کر سکتی اور مزید برآں روم و شام کی اقوام نے جو زمانہ قدیم میں متواتر مصر پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ جو جو باتیں وہاں کی تہذیب میں ضروری پائی ہیں، اختیار کی ہیں اور چونکہ اس کتاب میں روم و ایران کی قدیمی تہذیب کا ذکر ہے۔ اس لئے مصر کو ان میں شامل سمجھنا چاہیے۔ اب رہا ہندوستان۔ ہندوستان کی تہذیب خواہ کیسی ہی حیرت انگیز ہو مگر روم سے چار ہزار سال بعد ہے اور اس پر بحث کرنے کے لئے ہماری کتابوں میں کافی سرمایہ ہے۔ بہرصورت روم کے قدیمی حالات کی نسبت معلومات حاصل کرنا ہر ایک فلاسفر کے لئے ضروری ہے اور اگرچہ میں نے ہزاروں واقعات کو نظر انداز کیا ہے۔ تاہم قدیم زمانہ میں تہذیب اور مذہب کی رفتہ رفتہ ترقی کا کھوج لگانے کے لئے حالات کافی ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین اس تاریخ قدیم کے واقعات کو جو دلچسپی سے خالی نہیں خوب غور و فکر کی نظر سے دیکھیں گے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

چند ضروری ریمارک

توریت میں ذکر ہے کہ نوح کے تین بیٹے تھے۔ہام،سام اور جعفر جنہوں نے طوفان کے بعد روم،مصر اور افریقہ کے دوسرے ملکوں میں سکونت اختیار کی۔اور آج کل کے باشندگان روئے زمین انہیں کی اولاد سے ہیں۔پیشتر بھی تاریخ قدیم اس معاملے میں معترض تھی کیونکہ ہر ایک قدیم قوم کے خط وخال اور طرز کلام اس قدر مختلف تھے کہ ان کے ایک نسل ہونے کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔ ہزاروں سال کی پرانی تصاویر جواب ہمیں ملی ہیں۔ان میں مختلف اقوام کے خط وخال کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام کے خط وخال میں آٹھ ہزار سال میں بھی کچھ فرق نہیں پڑا۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ نوح کے تین بیٹوں کے خط وخال میں ایسا فرق ہوسکتا۔تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ مہذب قوموں کے خط وخال زیادہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔مثلاً ہندوستان اور یورپ کے باشندوں کے خط وخال میں بعض بعض ایسے تغیر وتبدل واقع ہوتے ہیں کہ باپ بیٹے میں کوئی مشابہت نظر نہیں آتی۔مگر غیر مہذب قوموں کے خط وخال میں سالہا سال تک کوئی فرق نہیں پڑتا چنانچہ افریقہ اور آسٹریلیا کے حبشی سب ایک ہی سانچے میں ڈھلے نظر آتے ہیں۔الغرض یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ غیر مہذب قوم کے خط وخال میں کوئی بڑا تغیر واقع ہوسکے۔تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے وقت کے لوگ ہم سے تہذیب میں بدرجہا کم تھے۔پھر ہم کیونکر باور کرسکتے ہیں کہ اس قلیل عرصے میں ایک غیر مہذب قوم کی اولاد سے ایسا بڑا فرق پڑسکتا۔جو آریا اور حبشیوں کے مقابلے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اب دیکھئے کہ ہر ایک قدیم قوم جس نے صفحۂ ہستی پر قدم دھرے۔اپنے ساتھ کوئی خاص نام لے کر آئی ہے۔ایرانی اور ہندوستانی گو مختلف ملکوں میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں تھے۔مگر اپنے تئیں ہمیشہ نسل آریا سے بتاتے تھے اور اس خط وخال کے لوگ جہاں کہیں جاکر آباد ہوئے ہیں۔ہمیشہ اپنے تئیں آریا کہتے رہے ہیں۔ان کا خط وخال اور طرز کلام دیگر سب قوموں سے مختلف ہے۔آریا کے معنی زبان قدیم میں نیک ہیں۔اب رہی نسل منگول یا تورانی جو ساری نسلوں سے زیادہ پرانی ہے وہ ہمیشہ اپنے تئیں بربر یا بار بار کہا کرتے تھے جس کے معنی زبان قدیم میں حکمران یا طاقت ور ہیں۔آریا لوگوں نے موجودہ زبان میں اسی لفظ کے معنوں کو بگاڑ دیا ہے کیونکہ ان کی زبان میں لفظ بربر کے معنی وحشی ہیں۔اب رہی اقوام یہود وعرب وغیرہ۔قدامت کے لحاظ سے اس نسل کے لوگ تورانیوں سے دوسرے درجے پر ہیں۔اس

نسل کے لوگ قدیم سے اپنے تئیں سام بن نوح کی اولاد سے بتاتے ہیں۔اسی واسطے مؤرخین اورانہیں سامیت یا سمیت کے نام سے پکارتے ہیں۔روئے زمین کے مہذب باشندے صرف انہی تین نسلوں میں سے ہیں۔منگول،سمیت اور آریا۔ان اقوام کے خط وخال اور زبان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ایشیا میں جہاں انسان نے سب سے پہلے ظہور کیا ہے۔اولاً قوم منگول جسے یورپین تورانی کہتے ہیں حکمران تھی۔چین اس کے قدیمی جاہ وجلال کے نقش قدم ہے۔ بعدازاں قوم سمیت نے روم ومصر میں ظہور کیا(توریت کے بموجب مصری حام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔مگر چونکہ قوم سمیت سے انہیں بہت مشابہت ہے اس لئے میں انہیں بھی قوم سمیت میں شامل کرتا ہوں)اور سب سے آخر آریا نے ایران اور ہندوستان میں غلبہ کیا۔پہلے جو ہماری معلومات بہت محدود تھیں۔تمام مؤرخین کا خیال تھا کہ قوم سمیت نے سب سے پہلے تہذیب کی بنیاد ڈالی ہے۔اب جو شہر بابلون کے کھودنے سے بے شمار کتبے دستیاب ہوئے ہیں۔انہوں نے ہماری معلومات کو بدرجہا زیادہ کردیا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ جس تہذیب کے لئے ہم قوم سمیت کو اس قدر فضیلت دیتے تھے وہ انہوں نے قوم منگول سے سیکھی ہے۔بادشاہ نمرود جس کا نام زمانہ قدیم میں شہرۂ آفاق تھا۔قوم منگول سے تھا۔اسکی تصویر جو کھنڈرات سے دستیاب ہوئی وہ بھی اس نتیجے پر صاد کرتی ہے۔

نمرود کا پہلا مسکن شہر سوزا یا ایلام تھا جو ملک سوزانیہ کا دارالخلافہ تھا۔یہ ملک ایران کے شمال و مغرب اور کوہ قاف کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔نمرود نے وہاں سے آکر دریائے فرات کے اردگرد کی اقوام کو ماتحت بنا کر شہر بابلون کو تعمیر کیا اور تہذیب کی اس قدیم زمانہ میں بنیاد ڈالی۔ مؤرخین حال اس صدی کے آغاز میں نسل منگول کو کچھ فضیلت نہیں دیتے تھے۔کیونکہ ہماری تاریخ دانی کے بموجب ان میں سے صرف مغلوں اور ترکوں ہی نے عروج حاصل کیا ہے اور انہوں نے تہذیب میں کوئی اعلیٰ درجے کی قابلیت ظاہر نہیں کی۔مگر آج یہ امر پایۂ یقین کو پہنچ گیا ہے کہ جو تہذیب رفتہ رفتہ اس درجہ کو پہنچی ہے سب سے پہلے اس کی بنیاد قوم منگول ہی نے ڈالی ہے۔

اس بات کا پتہ ملنے سے علمائے یورپ نے چین کی کتب قدیم کا مطالعہ کرنا شروع کردیا ہے اور بڑے حیرت اثر راز کھل رہے ہیں۔چین باوجود یہ کہ ہزاروں سال اردگرد کی ایشیائی اقوام سے بے تعلق رہا ہے مگر وہاں کی قدیمی کتابوں میں طوفان کا قصہ موجود ہے۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نے چین پر روم کی طرح مہلک اثر نہیں کیا تھا۔کیونکہ چینیوں کا بہت سا حصہ پہاڑوں پر چلا گیا تھا اور بعدازاں انہوں نے ایک نہایت طول طویل نہر بنا کر زائد پانی کو نکالا۔علم زمین شناسی کے

بموجب یہ امر ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا ہو۔ اب آئندہ طوفان عظیم کی تیاری کے جو اسباب نظر آتے ہیں ان سے انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ کون کون سے ملک اس سے تباہ ہوں گے۔ بہر حال یہ طوفان ایشیا اور یورپ ہی میں محدود تھا۔ روم میں زیادہ خطرناک تھا۔ کیونکہ یورپ اور ایشیا کے درمیان کوئی ایسا سمندر نہ تھا جس کے ذریعے ایک بے تعداد پانی شمال سے جنوب کی طرف بہہ سکتا۔ مگر چین کی ایک طرف تو بحرالکاہل ہے اور ملک بلند پہاڑوں سے محصور ہے اس لئے وہاں طوفان اتنا مہلک ثابت نہیں ہوا۔ گو ہمیں تا حال اس بات کا پتہ نہیں ملا کہ ملک چین کب آباد ہوا ہے اور طوفان سے پہلے وہاں کی کیا حالت تھی مگر ان معلومات سے میدان تاریخ دانی بہت وسیع ہو گیا ہے اور اعلیٰ خیال کے لوگ غور وفکر سے بہت سی باتوں کا کھوج نکال سکیں گے۔ مزید برآں ممکن ہے کہ مقام سُودا میں کھدائی سے کوئی اور معلومات کی کان مل جائے۔ کیونکہ نمرود وہیں سے آیا تھا۔

علم زبان دانی بھی توریت کے اس مسئلے کی تردید کرتا ہے کہ موجودہ اقوام نوحؑ کے تین بیٹوں کی اولاد ہیں۔ کیونکہ جو اقوام خط وخال کے لحاظ سے باہمی رشتہ ثابت کرتے ہیں۔ ان کی زبانیں بھی ایک ہی نسل سے ہیں۔ توریت میں زبانوں کے اختلاف کی نسبت یوں لکھا ہے۔

باب گنس فصل نمبر 11 (2247 قبل مسیح واقع ہوا) تمام دنیا میں ایک ہی زبان اور ایک ہی طرز کلام تھی۔ جب قومیں مشرق سے آئیں اور انہوں نے سرزمین شنار میں ایک میدان پایا تو وہاں آباد ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو کہا، آؤ ہم ایک شہر اور ایک مینار تعمیر کریں جس کا سرا آسمان تک پہنچے اور مناسب ہے کہ ہم اپنے لئے نام مقرر کریں۔ مبادا کہ ہم تمام زمین میں منتشر ہو جائیں اور خدا نے اتر کر مینار پر نظر کی جو انسان نے بنایا تھا اور کہا کہ دیکھو یہ تمام لوگ ایک ہیں اور ان کی ایک ہی زبان ہے۔ اب جو انہوں نے ایسے کام کرنے شروع کئے ہیں۔ جو کچھ ان کے دل میں خیال آئے گا اس کے پورا کرنے میں کوئی چیز انہیں نہیں روکے گی۔ لو اب ہم ان کی زبانوں میں تفرقہ ڈالیں گے تاکہ وہ ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکیں۔ پس خدا نے انہیں منتشر کر دیا اور وہ تمام زمین پر پھیلے اور انہوں نے شہر کی تعمیر کرنا چھوڑ دیا۔ اس لئے اس کا نام بابل ہے کہ خدا نے وہاں تمام دنیا کی زبانیں مختلف کر دیں اور وہاں سے خدا نے انہیں روئے زمین پر منتشر کر دیا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ طوفان کے بعد کے لوگ سخت خائف تھے اور وہ اس فکر میں تھے کہ آئندہ کے لئے طوفان سے بچنے کے لئے بڑی بڑی بلند عمارتیں بنائیں اور اگرچہ خدا نے ان سے طوفان نہ آنے کا وعدہ بھی کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ جس پر انہیں اختلاف زبان کی سزا دی گئی۔ توریت

کی یہ دلیل بھی خلاف قیاس ہے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسی باتوں کا اعلان لوگوں کو ایسے بیہودہ خیال سے باز آنے کے لئے مفید ثابت ہوا ہوگا۔مگر زبانوں کا اختلاف اقوام کے مختلف نسل سے ہونے کی وجہ سے ہے۔کیونکہ جس قوم پر ہم نظر کرتے ہیں۔زبان اور خط و خال کا تناسب پہلو بہ پہلو نظر آتا ہے۔گو مختلف سنون کے مخلوط ہونے سے موجودہ زبانیں زیادہ مشابہ نظر آتی ہیں۔مگر پھر بھی کیا زبان ہائے حال اور کیا قدیم ہم مقابلہ سے ہر نسل کی اقوام کی علیحدہ علیحدہ فہرست بنا سکتے ہیں۔زبانوں کا تفرقہ ایک آدھ گھڑی کا کام نہیں تھا۔جیسا کہ آج کل زبانیں متغیر ہوتی نظر آتی ہیں۔ویسا ہی ہزار ہا سال کے عرصہ میں زبانوں میں فرق پڑے ہیں اور اس کا باعث ہمیشہ نقل مکان ہوتا ہے۔امریکہ میں بھی انگریزی بولتے ہیں مگر ہر سال انگلستان اور وہاں کی زبانوں میں فرق پڑ رہا ہے۔قوم سکسن جو جرمنی سے جا کر انگلستان میں آباد ہوئی ہے تو آج انگریزی اور جرمن میں کتنا فرق نظر آتا ہے۔مگر قدیم زمانہ کی انگریزی جرمن سے زیادہ مشابہ ہے۔نقل مکان سے گو زبان تبدیل ہو جاتی ہے مگر اس کی اصل چھپ نہیں سکتی۔اگر موجودہ باشندگان روئے زمین نوح کے تین بیٹوں کی نسل سے ہوتے۔تو اولاً ان کے خط و خال۔دوم ان کی زبانوں کو آپس میں رشتہ و تعلق ہوتا۔جیسا کہ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔میں نے اس کتاب میں روم کی قدیم زبانوں کی مشابہت پر مثالیں بھی تحریر کی ہیں۔آپ دیکھ سکتے ہیں کہ زبان اور نسل کو ایک خاص تعلق ہے۔ظاہری مشابہت تو انقلابات زمانہ سے بھی ہو جاتی ہے۔مثلاً افریقہ کے بہت سے حبشی انگریزی بولنے لگے ہیں۔کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ حبشی انگریزوں کی نسل سے ہیں یا انگریز حبشیوں کی نسل سے ہیں۔فارسی اور اردو میں سینکڑوں عربی کے لفظ روزمرہ استعمال میں ہیں۔مگر یہ تعلق قدیمی نہیں۔چونکہ مذہب اسلام نے ان ملکوں کی اقوام میں تہذیب کو از سر نو روشن کیا ہے اس لئے زبان عربی کے الفاظ ان اقوام نے اختیار کئے ہیں۔ایک ہی نسل کی زبان کا مختلف ہو جانا اولاً تو ممکن نہیں۔مگر بالفرض محال اگر ہو بھی تو اسے نہایت طول طویل وقت چاہیے اور ہم اندازہ لگا کر کہہ سکتے ہیں کہ طوفان نوح سے لے کر ہمارے تاریخی زمانہ تک ایسے انقلاب کا واقع ہونا کسی صورت میں ممکن نہیں۔پس مجبوراً ہمیں یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ نوح کے وقت میں جو لوگ طوفان کے مہلک نتائج سے بچ گئے تھے وہ مختلف سنون سے ہوں گے۔ان کی زبانیں بھی مختلف ہوں گی۔کیونکہ گیارہ ہزار سال میں نہ تو زبان اور نہ خط و خال اس قدر تبدیل ہو سکتے ہیں۔یہ نتیجہ جو صرف ہم غور و فکر ہی سے نکالتے ہیں۔ان کتبوں سے جو نمرود کے زمانہ کے ہیں ثابت ہو گیا ہے۔نمرود کے کتبوں میں نوح کی مفصل یہ حکایت ہے۔اب اگر وہ لوگ جو نوح کے زمانہ میں طوفان سے بچ

رہے ہیں۔ مختلف قوم کے تھے یا ان کے بیٹے نہیں تھے۔ تو ان کی زبانوں میں ایسا تغیر واقع ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمؑ کے وقت سے لے کر نوحؑ کے وقت تک ایک لمبا چوڑا عرصہ چاہیے۔ کیونکہ آدمؑ کی اولاد جو اس وقت تک ایک ہی ملک میں آباد تھی۔ مختلف زبانیں کیونکر بولتی اور خصوصاً جو جہاز کے ذریعے بچ نکلے ہیں وہ تو ایک ہی شہر یا گاؤں کے رہنے والے ہوں گے۔ الغرض انسان کے روئے زمین پر نمودار ہونے کا ہم جو اندازہ لگاتے ہیں وہ اصل مقدار کا عشر عشیر بھی نہیں۔ یہ نتائج گو ظاہراً کتنے ہی بے حقیقت معلوم ہوں مگر جوں جوں ابتدا کی نسبت ہماری واقفیت بڑھے گی۔ انتہا کا بھی کسی قدر اندازہ لگا سکیں گے۔

بحث کرنے کا یہ طریقہ گو ایسا دلچسپ نہیں مگر صداقت پر مبنی ہے۔ گو سچ تو ہمیں کبھی معلوم ہو یا نہ۔ مگر جہاں تک ممکن ہو سکے اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ منطق سے انسان ایسی چیز کو غلط یا درست ثابت کر سکتا ہے اس لئے جویان حقیقت کو چاہیے کہ خیالات کی بنیاد ہمیشہ واقعات پر ڈالے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے علما تا حال علم منطق کے دل دادہ ہیں اور بجائے واقعات پر نظر کر کے نتائج نکالنے کے نتائج کو ثابت کرنے کے لئے دلائل تلاش کرتے ہیں۔ اے برادران قوم آپ کو بوجہ فلسفہ کے دنیا کی تمام قوموں پر شرف حاصل ہے اپنی معلومات کو بڑھاؤ اور غور کرتے وقت ہمیشہ اپنے دل کو طرفداری سے صاف رکھو۔ بوجہ ہماری کم فہمی کے اس دنیا کی حقیقت کو جاننا اب بھی ناممکن ہے۔ اگر اس پر اور بھی پیچیدگی ہم نے زیادہ کی تو اس قلیل عرصے میں جو ہمیں غور و فکر کے لئے حاصل ہے ہم منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

باب اول

قوم خالدین

ہمارے موجودہ تاریخی معلومات کے بموجب جو ملک سب سے پہلے تہذیب کی روشنی سے منور ہوا ہے۔ خلیج فارس اور ایشیائے کوچک کے درمیان واقع تھا۔ ایک طرف کردستان کے بلند پہاڑ اس ملک کی حد بندی کرتے تھے اور دوسری جانب صحرائے عرب اس ملک کی وسعت میں مخل تھا۔ مؤرخین یہود اس خطۂ بے عدل کو ارم نہرین (دو دریاؤں کا ارم) یونانی اور رومن سوپوٹیمیا (دوابہ) اور عرب الجزیرہ کہتے ہیں اور یہ نام دریائے دجلہ اور فرات کی بدولت ہیں اور حقیقت میں اس ملک کی ساری زراعت اور سرسبزی انہی دریاؤں پر منحصر ہے۔ جس زمانے کا ہم ذکر کرتے ہیں خدا جانے تب سے لے کر آج تک گردش روزگار نے اس ملک کی حدود کو کس قدر تبدیل کر دیا ہے۔ خلیج فارس جو اس ملک کے جنوب میں واقع ہے۔ ایک زمانے میں نہایت وسیع تھی۔ مگر رفتہ رفتہ دریا شمال سے لا لا کر اس خلیج میں مٹی بھرتے رہے۔ سو اگر تاریخی دلائل سے اس کی وسعت پر بحث کی جائے تو فرق بہت بڑا نظر آتا ہے۔ تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ دریاؤں کے دھانہ پر ہر ستر سال میں ایک میل کا فرق پڑتا ہے۔ یعنی دریا کی مٹی دہانہ پر جمع ہو ہو کر ساحل کی وسعت کو بڑھاتی رہتی ہے۔ اس حساب سے قوم خالدین کے زوال کے وقت سے آج تک جسے چار ہزار کے قریب عرصہ گزرا ہے۔ اس ملک کی زمین کم سے کم تیئس ہزار مربع میل بڑھ چکی ہے۔

خالدین کے بسائے ہوئے چار شہر جو سرزمین شناء میں واقع تھے۔ بابل، ارخ، اکاد اور کلینہ ہیں اور مؤرخین قدیم ان شہروں کے شوق دیدار میں ملک ملک کی خاک چھانتے پھرے ہیں اور (یا خور) حرک، نیپور، لارسہ (یالاریخہ) کے سوا اور بھی بہت سے شہر اس قوم نے آباد کئے تھے۔ مگر بوجہ اختصار انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

شہر اُور کو ایک زمانے میں اس ملک کا دارالخلافہ ہونے کا فخر حاصل تھا۔مگر بعدازاں نیپور اور آخر کار شہر بابل بادشاہ کا مسکن قرار پایا۔اُور دریا سے فرات کے دہانہ پر تھا۔اس لئے بحری تجارت کی بدولت اس شہر کی شہرت ہمیشہ بحال رہی۔وسیع سمندر کے متصل ہونے سے ممکن ہے کہ خالدین کی تجارت صرف اپنے ہی ملک میں محدود نہ ہوگی اور ان کے جہاز مصر اور ہند اور سنگلدیپ کو بھی جاتے ہوں گے۔بابلون اعظم جسے عرب بابل کہتے ہیں۔دریائے فرات کے مشرقی کنارے آباد تھا۔یہ شہر گو ہمیشہ شہرہ آفاق تھا۔مگر سال ہا سال کی گمنامی کے بعد آج کل پھر یہ شہر ہمارے تاریخی معلومات کا مرکز بن رہا ہے اور اس کا نام پھر زبان زد خلائق ہو رہا ہے۔علمائے حال دور دور سے اس شہر کے کھنڈرات کو ملاحظہ کرنے جاتے ہیں اور تاریخ قدیم کے شوقین لاکھوں روپیہ اس غرض سے صرف کر رہے ہیں کہ اس سرزمین کے چپے چپے کو کھودا جائے اور جو جو کتبے وہاں سے برآمد ہوتے ہیں۔ان کو نہایت غور وفکر سے پڑھا جاتا ہے۔

قوم خالدین کی اصل

توریت میں لکھا ہے کہ طوفان نوح کے بعد بنی نوع انسان اس میدان میں جو دجلہ اور فرات کے دہانوں کے متصل ہے آباد ہوئی ہے۔اکثر مؤرخین قدیم نے ابتدائی واقعات کو یہودیوں سے نقل کیا ہے۔اس لئے قدرتاً وہ بھی توریت سے بہت سی باتوں میں متفق ہیں۔یعنی تمام لوگ ایک ہی زبان بولتے تھے اور ایک ہی فرقہ کے تھے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودی ابتدا ہی سے تجارت پیشہ تھے اور انہیں ہمیشہ درست واقعات کے لکھنے کی عادت تھی۔مگر ان کی تاریخ دانی پندرہ سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔اس لئے اس زمانہ سے ان کے واقعات کا صحیح ہونا سب مانتے ہیں۔مگر اس سے پہلے کے جو حالات وہ تحریر کرتے ہیں وہ یا تو اوروں سے نقل کئے ہیں اور یا سنے سنائے قصوں کو فراہم کر کے ان کی من گھڑت ترتیب بنائی ہے۔تجارت پیشہ لوگ ہمیشہ قوت خیال میں کمزور پائے جاتے ہیں۔چونکہ اس کا حافظہ اچھا ہوتا ہے۔اس لئے انہیں جو کچھ بتاؤ یاد رکھتے ہیں یا نہایت صحت سے لکھ چھوڑتے ہیں۔مگر قدیمی واقعات پر غور کرتے وقت وہ کبھی درست اندازہ لگا نہیں سکتے۔اس لئے موسیٰ کے وقت سے پہلے کے واقعات جو یہودیوں نے تحریر کئے ہیں ان میں بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔عام خیال کے بموجب وہ لوگ جنھوں نے تہذیب کی ملک خالدی میں بنیاد ڈالی ہے۔آرم یا قوم سمیت سے تھے۔وہ لوگ اپنے تئیں ارامن اور یونانی انہیں اسیرین کہتے تھے۔بقول پیئبور (Puebuhe) ارامن اور سیرین ان فرقوں کا نام

ہے۔ جو دجلہ اور فرات کے اردگرد ارارض فلسطین میں آباد تھے۔ مگر آج کل یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ یہ لوگ قوم اکاد سے تھے۔ جو نسل تورانی یا منگول سے منسوب ہیں۔ قدیم ترین کتبوں کی زبان تورانی وضع کی ہے۔ مگر یہودی اس امر پر بہت زور دیتے ہیں کہ ان کی زبان عبرانی سے مشابہ تھی۔ مگر اس مشابہت کو معتبر نہیں سمجھتے۔ کیونکہ سلطنت خالدی کی بناء سے لے کر بادشاہ بنوچدنزر کے وقت تک زبان میں بہت سے تغیر واقعہ ہوئے ہیں جن کی آئندہ تفصیل کی جائے گی۔

وہ وسیع سلطنت جس کی بادشاہ نمرود نے بنا ڈالی ہے کش کے نام سے مشہور تھی۔ مگر مشہور و معروف مؤرخ بیروسس اس سلطنت کے اس حصہ کو جو روم میں واقعہ تھا خالدی کے نام سے موسوم کرتا ہے اور وہاں کے باشندوں کو خالدین کہتا ہے۔ اب بھی بعض مقامات نمرود کی وسیع سلطنت کا نشان دیتے ہیں۔ کچھ جو ہندوستان کے مغربی ساحل پر ایک جزیرہ نما کا نام ہے۔ لفظ کش سے لیا گیا ہے۔ جو نمرود کی سب سلطنت کا نام تھا، نمرود کا اصلی نام بلوس تھا۔ چنانچہ مؤرخین یونان اور ارمن اسے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ صرف یہودیوں نے اس کا نام نمرود لکھا ہے۔ قوم بلوچ کا اصلی نام قوم بلوس تھا۔ یعنی بلوس (نمرود) کی قوم۔ ملک بلوچستان کا اصلی نام نمرود سے وقت سے ہے۔ مگر ہاں اس وقت اسے صرف بلوس کہتے تھے جو بگڑ کر بلوچ ہو گیا اور بعد ازاں فارسیوں کے عہد حکومت میں اس ملک کا نام بلوچستان ہو گیا۔ کیونکہ لفظ ستان کے معنی فارسی میں جگہ یا مقام کے ہیں۔ مثلاً ہندوستان وغیرہ الغرض قوم منگول ایک زمانہ میں تمام ایشیا پر حکمران تھی۔ مغربی سلطنت ایشیائے کوچک سے لے کر سندھ تک پھیلی تھی اور مشرقی حصہ ایشیا میں چین اور ہندوستان میں اسی قوم کی آبادی تھی۔ توریت میں لکھا ہے کہ "حام بن نوح" کے چار بیٹے تھے۔ کش، مزرائم، فوت اور کنعان...... کش کا بیٹا نمرود تھا۔ جس کی پہلی سلطنت بابل، ارخ، اکاد اور کالینہ سرزمین پشناء میں تھی۔ اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی قدیمی واقعات پر غور کرنے میں کس قدر کوتاہ اندیش تھے۔ رومی، مصری ملک سومالی کے رہنے والے اور کنعانی ایک نسل سے تھے یہاں تک تو یہودی درست ہیں کیونکہ ان کو حام کی اولاد بتاتے ہیں۔ مگر جب نمرود اردگرد کی اقوام کو فتح کر کے سلطنت کش کا مالک ہو گیا۔ تو یہودی اسے خواہ مخواہ کش کا بیٹا بتاتے ہیں۔ نمرود کے کتبوں میں اس کی لڑائیوں کا برابر ذکر ہے نمرود نے سلطنت کو حق سے نہیں بلکہ بزور تیغ فتح کیا ہے۔ چونکہ نمرود کی رعایا مختلف سنون سے تھی۔ اس لئے جو زبان مابعد میں ملک خالدی میں رائج تھی وہ کئی زبانوں کا اختلاط تھی اور اس بات پر تو یہودی بھی متفق ہیں کہ خالدی بادشاہ اپنی رعایا کو

کپرات ارباب کہتے تھے جس کے معنی چار زبانیں ہیں۔ ابراہیم کے وقت میں بھی چار بادشاہوں کا اتحاد چار قوموں کا وجود ثابت کرتا ہے۔ یہودی اس زمانے کے پہلے کے لوگوں کو اربعہ لسان کہتے ہیں۔ ملک خالدی کی چار قومیں کشت، تورانی، سمیت اور اریہ تھیں۔ ملک خالدی میں کھجور کی کاشت کاری عام تھی۔ تھیوفراستس (ارسطو کا شاگرد) لکھتا ہے کہ "غلہ گندم کی بابلون میں دو فصل ہیں۔ زراعت کی کثرت کو جاری رکھنے کے لئے اناج مویشی کو کھلا دیتے ہیں اور کھاد کے استعمال سے زمین کی پیداوار کو کئی گنا بڑھا دیتے ہیں"۔ اس ملک کا زرخیز اور شاداب ہونا۔ اس امر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاہان فارس اس ملک کو فتح کرنے کیلئے ہمیشہ لڑتے رہے ہیں۔ قوم خالدی کے زوال کے بعد جب یہ ملک فارسیوں نے فتح کرلیا تو وہاں کا خراج جو اڑھائی لاکھ سے اوپر تھا سلطنت فارس جو ہند سے مصر تک پھیلتی تھی۔ اب کی کل آمدنی کا تیسرا حصہ تھا۔ اس ملک کا شاداب ہونا ہر طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ فسٹ ممائر کے نام سے ایک کتاب جو زمانہ حال کی تصنیف ہے اس ملک کی نسبت یہ رائے دیتی ہے "زمین نہایت سرسبز ہے۔ چاول، کھجور و دیگر اقسام غلہ کی کثرت ہے مگر باشندگان زراعت میں کوشش نہیں کرتے۔ یونانی کہتے ہیں کہ شہر بابل کے باشندے کھجور کو روٹی، شراب، سرکہ اور شہد کے بجائے استعمال کرتے تھے۔ جب عرب لوگوں نے اس ملک کو فتح کیا ہے۔ وہ اسی چار دنیاوی بہشتوں میں شامل کرتے تھے۔ اس قدیم زمانہ میں اس سرزمین میں شیر، چیتا، لگڑ بھگو، جنگل میں بھیڑیا، سانڈ، سور اور کئی درندے پائے جاتے تھے اور ہر طرح کے پرند بھی وہاں موجود تھے۔

قوم خالدین کی زبان اور طرز تحریر

اس امر کا ذکر پیشتر کیا گیا ہے کہ اس ملک کے بادشاہوں کا کپر رات ارباب یعنی چار مختلف زبانیں بولنے والی قوم پر راج تھا۔ گو ہم ان چار زبانوں کا پورا پورا کھوج لگا نہیں سکتے۔ تاہم کتبوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس میں بالکل مختلف تھیں۔ اگر اس زمانہ کی زبان کو ہم مخلوط کر دیں تو بہ ہیبت مجموعی اس کے الفاظ موجودہ چار قوموں کی زبانوں سے مشابہ ہیں۔ یعنی تورانی، ہمیت (اولاد ہام) سمیت اور آریہ۔ اس زبان قدیم کے بعض الفاظ عرب، ابی سینا اور مصر کی زبانوں سے متعلق ہیں اور بعض باتوں میں اسے ترکی اور ملک ہنگری کی زبان سے مشابہت ہے۔ مندرجہ ذیل فہرست سے ناظرین قدیمی زبان کے مختلف تعلقات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

الفاظ زبان قدیم	معنی	اس لفظ کی کس زبان سے مشابہت ہے
دیگر	خدا	تنگری (زبان ترکی)
آتا	باپ	آتا (ترکی اور ابی سینا کی زبان)
سس	بھائی	اسا (ابی سینا کی زبان)
تور	بیٹا۔جوان	ثورخان (تاتاری۔تورانی)
آر	دریا۔نہر	(عربی)
کا	دروازہ	کاپو (زبان ہنگری) باشندگان ہنگری نسل منگول سے ہیں۔ ہنیارا اس قوم کا بانی نمرود کی نسل میں سے تھا۔
سان	سورج	سن (انگریزی)
سی	آنکھ	سیم (زبان ہنگری)
ایگر	بعد	اگریا (ابی سینا)

چونکہ مجھے طوالت منظور نہیں۔ اس لئے اس قوم کی زبان پر میں زیادہ بحث نہیں کرتا۔ یہ امر صاف ثابت کرتا ہے کہ قوم خالدین کی زبان کی مشابہت نسل منگول سے زیادہ ہے اور بحیثیت مجموعی یہ آج کل کی تین مشہور و معروف قوموں کی زبانوں سے مشابہ ہے۔ منگول، سمیت اور آریہ قوموں کے خط و خال کا فرق بھی اس زمانہ کی تصاویر سے ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصاً نمرود کے خط و خال تو بالکل تورانی ہیں۔

قوم خالدین جو ہمارے معلومات کے بموجب لکھنے کے طریق کے موجد ہیں، حرفوں سے نہیں لکھتے تھے۔ بلکہ ہر ایک نام یا اسم کے لئے ایک چھوٹی سی تصویر یا علامت بناتے تھے۔ مثلاً خدا کو یوں لکھتے تھے ——✳—— اس کی وجہ یہ ہے کہ خالدین ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ اس کی اور دلیل یہ ہے کہ شہر اُور جو ملک خالدین میں نہایت مشہور تھا۔ وہ اس قوم کے ستاروں کی پرستش کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ زبان خالدی میں لفظ اُور کے معنی ستارہ ہیں۔
ہاتھ کو یوں لکھتے تھے ☰ جوں جوں اس قوم کا طرز تحریر تبدیل ہوتا گیا۔ اس لفظ کی مشابہت دست انسانی سے بڑھتی گئی۔

□ = گھر۔ اگر لفظ گھر کا لکھنا منظور ہوتا تو ایک مربع سا بنا دیتے تھے۔

◇ = سورج۔ علیٰ ہذا القیاس

قوم خالدین کے پہلے مہذب فرقہ کا نام اکاد تھا۔ اکاد قوم منگول سے ہیں اور شہر اکاد انہی کا

ہم نام ہے۔انہوں نے اس ملک میں سکونت اختیار کرتے ہی زراعت میں ترقی کرنی شروع کر دی اور چونکہ پرستش کا خیال انہیں بہت تھا اس لئے جا بجا مندر تعمیر کرنے لگے۔مگر اس زمانہ میں سوائے کچی اینٹوں کے انہیں اور کچھ نہ سوجھا اور حقیقت میں اگر کچی اینٹوں کو کافی عرصہ تک دھوپ میں رکھیں تو بہت مضبوط اور کارآمد ہوتی ہیں۔اس زمانہ کے مندروں کے کھنڈرات اب تک دیکھ سکتے ہیں۔مردوں کے دفن کرنے کے لئے انہوں نے کئی طرح کے برتن بنائے۔بعض مرتبان کی طرح کے تھے اور بعض مستطیل شکل کے بنائے جاتے تھے۔

وہ علوم جن میں خالدین نے بہت ترقی کی ہے نجوم اور ریاضی ہیں۔سمپلنس ایک یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ جس وقت سکندر اعظم شہر بابل کو آیا تھا۔کالستھنس اس کے ہمراہ تھا۔اس نے وہاں سے بہت سے پرانے کتبے متعلق نجوم جمع کر کے ارسطو کی طرف روانہ کئے۔جن میں سے اکثر 1903 سال قبل از وقت سکندر لکھے گئے تھے۔ان کتبوں کی یونان میں بہت بڑی قدر کی گئی۔اپی گنس بیان کرتا ہے کہ یہ تحریرات پختہ مٹی کی اینٹوں پر کندہ تھیں اور خالدین جو اکثر سمندر میں سفر کرتے تھے۔تو یہ صرف علوم نجوم کے طفیل تھا کہ ستاروں کے حساب سے منزل مقصود پر پہنچ سکتے تھے۔

یہودی خالدین کی جہاز رانی کا ذکر کرتے ہیں۔مزید برآں جو کتبے وہاں سے زمین کھودنے سے ملے ہیں۔ان میں بھی جہازوں کا ذکر ہے۔یعنی اُور (دارالخلافہ قدیم) سے جہاز خلیج فارس کے راستہ جایا کرتے تھے۔یہ بھی ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ خالدین سونا بھی بکثرت استعمال کرتے تھے اور چونکہ سوائے ہندوستان اور افریقہ اور کہیں انہیں مل نہیں سکتا تھا اس لئے انہیں سیاحی کی بھی رغبت معلوم ہوتی ہے۔

چونکہ علوم نجوم ریاضی کے بغیر ناممکن ہے۔اس لئے انہوں نے علم ریاضی میں بھی بہت ترقی کی ہوگی۔بیروسس لکھتا ہے کہ ان کے اعداد و شمار بھی ان کی قابلیت ظاہر کرتے ہیں۔چونکہ جذر وغیرہ سے انہیں اکثر کام پڑتا تھا اس لئے ان کے اعداد و شمار اس طریق پر تھے۔سوس (۶۰)۔ نر (۶۰۰) سار (۳۶۰۰) علیٰ ہذا القیاس

چلدین یا قوم خالدین کے اعداد و شمار

YYY YYY YYY YYY YYY YYY YYY YY Y
YYY YYY YYY YYY YY Y
YYY YY Y ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱
۹ ۸ ۷

∠
۱۰

چلدین کا لباس قریباً وہی تھا جو آج کل عرب میں رائج ہے اور ہندوستان کے بھی بعض حصوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں نہ تو جوتی اور نہ پگڑی مستعمل تھی۔ پگڑی کے بجائے عام اونٹ کے بال سر پر باندھتے تھے اور امراء ایک عجیب طرح کی ٹوپی پہنتے تھے۔ جس میں دو سینگ لگے ہوتے تھے۔ لباس میں سلائی بہت کم کی جاتی تھی۔ اس لئے ایک بازو کو ننگا رکھنا پڑتا تھا۔ عورتیں زیور کی بہت شائق تھیں۔ جو عموماً لوہے اور روئیں سے بنایا جاتا تھا اور ہندوستان کے بعض زیورات سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ کھنڈرات کے کھودنے سے بہت سی عورتوں کی ہڈیاں دستیاب ہوئی ہیں جو زیور سمیت دفن کی گئی تھیں۔ بعض بعض مردوں کے ساتھ سونے کی تسبیحیں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مردوں کے ساتھ خوراک بھی قبر میں رکھتے تھے۔ چنانچہ بعض ہڈیوں کے ساتھ کھجوریں اور مچھلیوں اور مرغوں کی ہڈیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

مذہب خالدین

قوم خالدین بت پرست تھی۔ قدرت کی مختلف طاقتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بت مقرر تھے۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک سب بتوں کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مشہور ترین بتوں کی تعداد پندرہ یا سولہ سے زیادہ نہیں۔ مگر یوں تو ہر ایک گاؤں کے لئے علیحدہ علیحدہ بت مقرر تھا۔ جس کے سامنے باشندگان دیہ کی حفاظت جان و مال کے لئے دعا کی جاتی تھی۔ بتوں کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب قدیم نجوم پر مبنی تھا۔ آسمان، سورج، چاند اور پانچ ستاروں کے واسطے مختلف بت تراش کئے ہوئے تھے اور مشابہت سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں نے بت پرستی خالدین سے سیکھی تھی۔

خالدین نے بتوں کو یوں تقسیم کیا ہوا تھا کہ ہر ایک بت کے واسطے ایک خدا مقرر تھا۔ را کو سب سے اعلیٰ درجے کا خدا کہتے تھے اور اس کے لئے ایک بت بنایا ہوا تھا۔ جب قوم سمیت اس ملک میں غالب آئی تو انہوں نے را کا نام آل قرار دیا۔ سوائے اعلیٰ خدا کے خالدین ایک تثلیث کے بھی قائل تھے۔ جس میں آنا، بلوس (نمرود) اور حیا شامل تھے۔ مگر ان تثلیث کے تین خداؤں کے لئے ایک ایک بی بی بھی مقرر تھی۔ آنا کے لئے آنات، بلوس کے لئے بلتیس، اور حیا کی بی بی داوکنیا تھی۔ اس تثلیث سے دوم درجہ پر ایک اور تثلیث تھی۔ اول سین باہر کی (چاند کا خدا) دوم سان یا سانی (سورج کا خدا) سوم ہو (یعنی ہوا کا خدا) اس تثلیث کے خدا بھی بی بیوں کے بغیر نہ تھے۔ ہو کی بی بی گالا مقرر تھی۔ سان کا بیاہ گولد سے ہو چکا تھا۔ ان سے کمتر درجہ کے پانچ اور خدا

تھے۔ جو پانچ مشہور ستاروں یعنی زحل، مشتری، زہرہ، مریخ وغیرہ کے لئے مقرر تھے۔
مناسب ہے کہ چند بتوں کی تشریح کی جائے تا کہ ناظرین کو عقل انسانی کے مختلف درجے معلوم ہوں اور امید ہے کہ یہ تذکرہ دلچسپی سے بھی خالی نہ ہوگا۔

اِل یارا

اس خدا کو خالدین سب سے اعلیٰ درجے کا مانتے تھے۔ لفظ اِل کے معنی صرف خدا ہیں۔ عبرانی کا لفظ الوہیم اور عربی لفظ .... اسی سے لئے گئے ہیں۔ بابل جو ملک خالدین کا دارالخلافہ ہے۔ زمانۂ قدیم میں اس کا نام کارا تھا۔ زبان خالدی میں کا کے معنی دروازہ اور را کے معنی خدا ہیں۔ یعنی خدا کا دروازہ۔
قدیمی خالدین تصور کرتے تھے کہ ان کے دو خدا نیل اور انا، اِل کے بیٹے ہیں اور اس طرح ایک اور تثلیث قائم کرتے تھے عیسائیوں کی تثلیث کو اس سے بہت سی مشابہت ہے۔

آنا

یہ خدا اِل سے دوم درجہ پر ہے۔ مگر تثلیث میں اس کا درجہ اول ہے۔ خالدین اسے زمین اور پہاڑوں کا مالک اور جن و دیو کا سردار سمجھتے تھے۔ اس کی پرستش ارخ (ایک شہر) میں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور طول وطویل عرصہ تک اس کی پرستش جاری رہی۔ حتیٰ کہ 1030 قبل مسیح شمس ول خلف اسم واگون ایک خالدین بادشاہ نے آنا کی تعظیم کے لئے شہر اُشور میں ایک مندر تعمیر کیا۔

آنو

آنو تثلیث اول کا دوسرا خدا ہے۔ مشہور و معروف بادشاہ نمرود کا نام اسی سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ نمرود اصل میں انارود تھا اور قدیم زمانہ میں اس بت کا نام بھی انارود تھا جس کے معنی ضیاء الشمس ہیں۔

حیا

حیا تثلیث اول کا آخری خدا ہے۔ اس کی تعریفوں اور بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ توریت کا شیطان اسی سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں شیطان کو سانپ گردانا ہے اور علاوہ تعریفات کے حیا کے لفظی معنی زندگی اور سانپ ہیں اور مزید برآں ہمیشہ بت بناتے وقت اس خدا کو سانپ سے

منسوب کرتے تھے۔کہیں سانپ کی تصویر بنا کر اسے خدائے حیا کا قائم مقام گردانتے تھے اور اسے معلم الخلوق مانتے تھے۔

پیدائش کا قصہ

قوم خالدین کی حکایات متعلقہ پیدائش جو کتبوں کے ذریعہ سے ملی ہیں نہایت حیرت انگیز ہیں۔مزید برآں بیروسس کی کتب سے بھی پایا جاتا ہے کہ توریت میں جو کہانی پیدائش کا ذکر کرتی ہے۔خالدین سے نقل کی گئی ہے گو ان دونوں حکایات میں کسی قدر تفرقہ ہے مگر یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کوئی قصہ کسی اور قوم سے نقل کرتی ہے تو اس میں ضرور کچھ نہ کچھ تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ قوم خالدین کی کہانی حسب ذیل ہے۔

ابتدا میں ہر جگہ اندھیرا اور پانی تھا اور اس میں بڑے بڑے قد اور عجیب عجیب وضع کے حیوانات رہتے تھے۔بعض آدمیوں کے دو اور بعض کے چار سر تھے اور سر بھی کئی آدمیوں کے دو تھے۔جن میں سے ایک تو عورت اور دوسرا مردوں کی طرح تھا۔کئی لوگوں کے سر اور سینگ بکریوں کی طرح تھے اور ان کے پاؤں گھوڑوں کی طرح تھے۔بعض حیوانات کا بالائی حصہ جسم انسان اور باقی گھوڑوں سے مشابہت رکھتا تھا۔بعض بیلوں کے سر بھی انسان کی طرح تھے۔کتوں کے جسم چار تھے اور دم مچھلیوں کے سے تھے۔اکثر لوگوں اور گھوڑوں کے سر کتوں کی طرح تھے اور بہت سے حیوانات کے جسم اور سر گھوڑوں کی مانند تھے۔مزید برآں مچھلیاں، کیڑے اور سانپ بھی ہیبت ناک اور عجیب عجیب وضع کے تھے اور سب تیر سکتے تھے۔ان سب کی تصاویر بلوس کے مندر میں رکھی ہیں۔ان سب حیوانات پر ایک عورت حاکم تھی۔جس کا نام اومورکا ہے (خالدین اسے تھالاتھ اور یونانی تھالاسہ کہتے تھے) جب بلوس ظاہر ہوا تو اس نے اس عورت کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔اس کے آدھے دھڑ سے آسمان اور آدھے سے زمین بنائی گئی اور بیشتر جو حیوانات موجود تھے انہیں فنا کر دیا گیا۔پھر اسے اندھیرے سے دور کیا اور آسمان و زمین کو علیحدہ کر کے تمام کائنات کو مترتب کیا۔جو جانور روشنی برداشت کر نہیں سکتے تھے، وہ مر گئے۔جب بلوس نے دیکھا کہ زمین ویران ہے مگر اس میں پیداوار کی طاقت موجود ہے۔اس نے ایک خدا کو حکم دیا کہ اپنے سر کو کاٹ ڈالے۔جونہی اس کا خون زمین پر گرا، طرح طرح کے جانور جو روشنی برداشت کر سکتے تھے پیدا ہونے لگے۔حتیٰ کہ آدمی بھی ظہور پذیر ہوا۔چونکہ وہ خدا کی عقل کا شریک تھا۔دانائی میں تمام دنیا میں لاثانی تھا اور رفتہ رفتہ بلوس نے سورج، چاند، پانچ ستاروں اور بیشمار سیاروں کو پیدا کیا۔

اس بات کے اکثر تیقن ہیں کہ یہودیوں نے اس قصہ کو قوم خالدین سے نقل کیا ہے گو رفتہ رفتہ ملک خالدی کے باشندے کئی مختلف قوموں کے نظر آتے ہیں مگر نمرود کے وقت میں کم سے کم طاقتور اور حکمران قوم تورانی یا منگول تھی اور چونکہ یہ قوم سب سے قدیم تر ہے اس لئے ہمیں یہی نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ ان قصائص کے یہی موجد تھے۔ بابل کے مینار کا قصہ بھی قوم خالدین میں پایا جاتا ہے اور سب سے زیادہ دلچسپ طوفان نوح کی حکایت ہے۔ جو توریت سے کئی ہزار سال پرانی ہے۔ کیونکہ موسیٰؑ پندرہ سو سال قبل مسیح میں تھے اور یہ حکایت نمرود کے زمانے کی ہے۔ جو مسیح سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے تھا۔

نمرود کے سوانح عمری اور طوفان نوح کی حکایت

ایک عجیب وغریب کتبہ جو 1866ء میں کھدائی کرنے سے برآمد ہوا ہے۔ نمرود کے وقت کے مشہور واقعات کو بیان کرتا ہے۔ نمرود نہایت بہادر اور شکار کا شوقین تھا۔ بابلون یعنی بابل کے اردگرد کے مقامات کو فتح کر کے نمرود ایک ظالم سردار کی تخریب کے درپے ہوا۔ آخر کار اسے شکست دے کر اس نے شہر ارخ کو فتح کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے ایک اور دیو جیسے قوی ہیکل شخص کو فنا کیا اور اردگرد کی زمینوں کو اس کے پنجے سے چھڑایا۔ ایک دن ایک نجومی جس کا نام حیابانی تھا نمرود کے دربار میں آیا۔ نمرود کو اس سے ایسی محبت ہوگئی کہ اس نے اسے اپنے پاس سے جانے نہ دیا اور اسے ساتھ لے کر آس پاس کے درندوں کو شہر ارخ کے علاقے میں شکار کرنے لگا اور ان دونوں نے مل کر ایک سردار مسمی ہمنسبا کو جو کوہستان پر حکمران تھا فتح کیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایک اور سردار بیلیو کو شکست دی۔ نمرود کا اقبال روز بروز بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ دریائے دجلہ وفرات کے اردگرد کا ملک اس کے زیر حکومت ہوگیا اور آرئین نے بھی اطاعت منظور کر لی۔ مگر یکا یک مصائب نے نمرود کی حالت کو بگاڑ دیا۔ اولاً اس کے دوست حیابانی کو ایک جنگلی حیوان مسمی تامانکو نے مار ڈالا اور بعد ازاں نمرود ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہوگیا۔ نمرود نے جینے سے بیزار ہو کر جنگلوں میں آوارہ گردی شروع کی اور اتفاق سے اس کی اس مشہور ومعروف شخص سے ملاقات ہوئی جو طوفان عظیم سے بچ نکلا تھا۔ اس شخص کا نام حسیسا درہ تھا۔ نمرود حیابانی کے غم سے اس قدر تباہ حال تھا کہ شب و روز رویا اور چلایا کرتا تھا۔ حسیسا درہ کو ملتے ہی اس نے بدحالی کی شکایات شروع کیں۔

کتبوں میں نمرود کے سفر کا حال نہایت عجیب ہے جس کے بعد اس کی حسیسا درہ سے ملاقات

ہوتی ہے۔اولاً نمرود بہت سے فرضی دیو و جنات سے لڑائی کرتا ہے اور من بعد ایک مقام پر پہنچتا ہے۔ جہاں ایک مرد مسمی سبوری اور ایک عورت مسماۃ سبتو رہتے تھے۔نمرود حسیسا درہ کا مکان سمجھ کر اندر جانا چاہتا ہے۔مگر اہل خانہ دروازہ بند کر دیتی ہے۔آخر کار نمرود دروازہ توڑنے کا خوف دلا کر ڈراتا ہے۔بعدازاں نمرود ارھامسی نام ایک ملاح سے ملتا ہے جو اسے حسیسا درہ کے پاس پہنچانے کا اقرار کرتا ہے۔جزیرہ میں پہنچ کر نمرود حسیسا درہ کو منتظر پاتا ہے اور ملاقات کے بعد اس سے طوفان کی نسبت سوال کرتا ہے۔مگر حسیسا درہ بجائے سوال کا جواب دینے کے طرح طرح کے نصائح کرنے لگتا ہے۔

جس کا اصلی نام نمرود کے کتبوں میں حسیسا درہ ہے۔یونانی اسے ستھروس اور یہودی اور عرب لوگ نوح کہتے ہیں۔

کتبہ سے ترجمہ نمبر اول

نمرود نے اس طریق کے بعد حسیسا درہ کو کہا کہ میں نے اس بات پر غور کیا ہے۔کیونکہ تم میرے سامنے بیان نہیں کرتے۔تم مجھے نہیں بتاتے ہو۔کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم خداؤں کے مجمع میں زندہ رکھے گئے۔حسیسا درہ نے اس طریق کے بعد نمرود کو کہا کہ اے نمرود تجھ پر مخفی کہانی ظاہر ہو اور خداؤں کا فیصلہ تجھے معلوم ہو۔جہاں تم کھڑے ہو۔شہر سری پک واقع تھا۔یہ شہر اراس کے خدا قدیم ہیں۔خدا انو، خدا نیل، خدا منپ ،اور بیدا کا خدا۔ان کے سامنے تم پر ظاہر ہو۔میں اس کے ارادہ کو سن رہا تھا اور اس نے مجھے کہا۔سری پکیت (غالباً سری پک کے رہنے والے) ابارا تو تو کے بیٹے ایک جہاز تعمیر کرو۔میں گناہ گاروں کو فنا کرنا چاہتا ہوں۔میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ زندگی بچانے کو جہاز کے اندر چلے جاؤ۔جہاز جو تم بناؤ اس کا طول 600 مکعب اور اس کا عرض اور بلندی 60 مکعب ہو۔میں نے سمجھ کر اپنے خدا حیا کو کہا تو تم مجھے جہاز بنانے کا جو حکم دیتے ہو میں جب ختم کر چکوں گا تو پیرو جوان مجھ سے نفرت کریں گے۔حیا نے زبان کھولی اور مجھے اپنے غلام کو کہا۔تم ان سے کہو کہ مجھ سے دل پھر گیا ہے اور اس نے مجھ پر مقرر کر دیا ہے۔ایک بند جہاز جونہی طوفان میں تم پر بھیجوں اس کے اندر داخل ہو جاؤ اور جہاز کے دروازے بند کر دو اور اس کے ساتھ اپنا غلہ، اسباب، مال و دولت، اپنے نوکر عورتوں، کنیزوں، لوگوں کے بیٹوں کو رکھ لو۔جانوروں کو جمع کر کے میں تمہارے پاس بھیجوں گا۔تم ان کو اندر بند کر لینا۔اور احاسیس نے منہ کھولا اور اپنے خداوند حیا کو

کہا کہ کوئی شخص جہاز کو زمین پر نہیں بنائے گا۔ میں بھی جہاز کو دیکھوں گا۔ جیسا کہ تم مجھے زمین پر جہاز کے بنانے کا حکم دیتے ہو۔

نمبر دوم

پانچویں روز اس کا گرد 14 گز تھا۔ میں نے اس پر چھت دھر کے بند کیا۔ چھٹے روز میں اس کے اندر سوار ہوا اور ساتویں روز میں نے اس کے بیرونی حصوں کا ملاحظہ کیا۔ آٹھویں روز پھر میں نے اس کے اندر ملاحظہ کیا۔ پانی روکنے کے واسطے اس کے اندر میں نے چپریں بنائیں اور جابجا سوراخوں کو بند کیا اور بُورے کے تین پیمانے میں نے اس کے اندر چھڑکے۔

میں نے آدمیوں کے بکس تیار کیے۔ ان بکسوں کے اندر میں نے صدقہ دھرا اور دو پیمانے ملاحوں پر تقسیم کیے۔ منجملہ صدقہ کے بیل اور شراب تھے۔ جنہیں میں نے دریا کے پانی کی طرح جمع کیا اور خوراک کو زمین کی مٹی کی طرح جمع کیا۔ میں نے چپوں کے نیچے اور اوپر کی حرکت کا انتظام کیا۔ وہ جہاز کے اوپر کے حصہ میں دھرے پڑے تھے۔ تمام سونا، جاندار مقبوضات اور اپنے زن و مرد خدمت گار کو میں نے جہاز کے اندر رکھا۔ وحوش وطیور اور لوگوں کے بیٹوں کو میں نے اندر لے لیا اور میں نے اوپر جانے کا حکم دیا۔ علیٰ ہٰذا

نمرود کے کتبوں پر بحث

برٹش میوزیم کے کتبہ خوان بھی اسی امر پر متفق ہیں کہ یہ کتبے نمرود کے وقت کے ہیں۔ غالباً وہ ملک جس کی نمرود نے ملک خالدی میں بنیاد ڈالی تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد کے ہاتھوں سے چلا گیا۔ چنانچہ بعض کتبوں میں نمرود کی سلطنت کے زوال کی پیشن گوئیاں کی ہوئی ہیں۔ نمرود کے دربار میں نجومی، امراء، وزراء مابعد کے بادشاہوں کی طرح موجود تھے۔ یہ کتبے اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے زمانہ قدیم کے رسوم و عادات اور مذہبی عقائد کا پتہ ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خالدین میں طوفان کی حکایت عام تھی جسے وہ عصیان قوم کی سزا گردانتے تھے۔ مزید برآں وہ یہ بھی مانتے تھے کہ ایک شخص مقدس نے کشتی بنا کر بعض لوگوں کو بچایا تھا۔ خالدین دوزخ اور جنت کو بھی مانتے تھے اور ان کے خیال کے بموجب دوزخ زمین کے نیچے اور جنت آسمان کے اوپر تھا۔ بقائے روح کے بھی معتقد تھے اور انہیں خیال تھا کہ ایک بت کے حکم پر

روح زمین سے اٹھ کر آسمان کو جائے گی۔ جیسا کہ ھومر کی حکایات یونانیوں میں زبان زد تھیں۔ ویسے ہی نمرود کی شہرت بابلون (بابل) میں تھی۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ لوگ اسے خدا جاننے لگے۔ چنانچہ ایک کتبہ جو شہر نینوا میں برآمد ہوا ہے۔ اس کی ایک دعا نمرود کی طرف منسوب کی ہوئی ہے۔ اور یہ بات کوئی باعث حیرت بھی نہیں۔ کیونکہ زمانۂ قدیم میں عوام کو جو شے عجیب نظر آتی ہے اسے خدا کہنے لگتے تھے اور پھر ایک مشہور شخص کی پرستش کرنے کی تو ہزاروں مثالیں پائی جاتی ہیں۔ نمرود کے قصوں کا مرکز شہر ارخ تھا۔ اس شہر کے کھنڈرات اب تک باقی ہیں۔ شہر کے گرد چھ میل لمبی دیوار تھی اور اس کے باہر قبرستان بنا ہوا تھا۔ شہر نینوا کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کدورنان ھندی نے شہر ارخ کو 2280 (دو ہزار دو سو اسی) قبل مسیح فتح کیا ہے اور خدائے ایشتر کے بت کو وہاں سے لے گیا۔ اس سے کئی صدیاں بعد یہ شہر اسور بانی پال کے ماتحت تھا۔ جب اس بادشاہ نے شوشان کو فتح کیا تو ایشتر کے بت کو 645 (چھ سو پینتالیس) قبل مسیح پر شہر ارخ میں لا رکھا۔ اسور بانی پال نمرود کی حکایات کو شہر ارخ سے جمع کر کے ملک اسریا کو لے گیا (ملک اسریا کا حال آئندہ آئے گا)۔

ان سب حکایات میں سب سے زیادہ دلچسپ طوفان کا قصہ ہے۔ کیونکہ اس کی واقفیت کا ذریعہ صرف توریت ہی سمجھی جاتی تھی۔ مقابلہ کرنے کے واسطے توریت کی حکایت متعلقہ طوفان ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔ گو یہ حکایت باب گنس کی چھٹی فصل سے نویں تک ہے۔ مگر میں صرف اس کا مختصر مطلب تحریر کرتا ہوں۔

جبکہ دنیا کی آبادی بہت بڑھ گئی اور سوائے خاندان نوح کے سب لوگوں کی بدکاری پایۂ کمال کو پہنچی۔ انسانی معصیت سے ناراض ہو کر خدا نے دنیا کو طوفان سے تباہ کرنے کا ارادہ کیا اور نوح کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔ جس کا طول تین سو مکعب عرض پچاس اور اونچائی تیس ہو۔ نوح حسب فرمان خدا اس کشتی میں مع اپنے گھرانے اور ہر قسم کے جانوروں کے جوڑوں کے اندر داخل ہوا۔ ماہ دوم کے سترہ تاریخ یعنی سات کے بعد طوفان شروع ہوا۔ نوح اس وقت خود سو سال کا تھا۔ ایک سو پچاس روز کے بعد یعنی ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کو کشتی کوہ ارارات پر پہنچی۔ چالیس دن کے بعد نوح نے کھڑکی کھول کر ایک کوے کو روانہ کیا مگر وہ واپس نہ آیا۔ پھر اس نے ایک فاختہ کو روانہ کیا مگر یہ جانور کہیں جائے رہائش نہ پانے کی وجہ سے واپس آیا۔ سات دن کے بعد اس نے فاختہ کو بار دیگر روانہ کیا اور وہ زیتون کا ایک پتہ لے کر واپس آئی۔ سات دن کے بعد اس نے فاختہ کو پھر روانہ کیا مگر اس دفعہ یہ جانور واپس نہ آیا۔ طوفان اب ختم ہو چکا تھا۔ نوح اب چھ سو اور

ایک سال کی عمر کا تھا۔ طوفان پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو ختم ہو گیا مگر نوح دوسرے مہینے کی دوسری تاریخ کو کشتی سے نکلا۔

بیروسس خالدین کا پروہت تھا۔ جس نے تین سو سال قبل مسیح بابلون کی تاریخ قدیم کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا۔ چونکہ وہ اپنے ملک کی قدیمی تاریخ سے بخوبی واقف ہوگا۔ اس لئے اس کے واقعات کو کتبوں سے زیادہ مشابہت ہے۔ مگر اس صدی تک اس بیچارے مصنف کو پڑھنے کا کوئی نام بھی نہیں لیتا تھا۔ کیونکہ یونانی مؤرخین نے اس کی بہت مخالفت کی تھی اور یورپ چونکہ یونانی مصنفوں کا پیرو تھا۔ اس لئے بیروسس کی تاریخ بالکل نظر انداز کی گئی تھی۔ مگر درحقیقت سوائے اس کے تاریخ اور توریت کے اور کوئی کتاب قدیمی حالات کے بارے میں معتبر نہیں۔

گو توریت میں نوح کا حال درج ہے۔ مگر اس امر کا ذکر نہیں کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا اور کس جگہ اس نے کشتی تیار کی۔ مگر موجودہ کتبوں سے بہت سے معمے معلوم ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب نمرود خلیج فارس کے کنارے دریائے فرات کے دھانے پر مقام سری پک پر پہنچا ہے۔ تو حسیسادرہ یعنی نوح نے اسے کہا ہے کہ وہ اس مقام پر حکمران تھا اور یہاں سے ہی اس نے کشتی بنائی تھی اور طرفہ تر ایک اور کتبہ میں مقام سری پک کو شہر جہاز لکھا ہے اور طوفان کے فرضی خدا حیا کی یہاں دیر تک پرستش ہوتی رہی۔ یہودیوں کا لفظ نوح غالباً حیا کا بگاڑ ہے۔ کیونکہ اس قصہ کو دیر ہو چکی تھی اور غلطی سے یہودیوں نے خدا کے نام کو اس آدمی کا نام سمجھا جو طوفان سے بچ نکلا تھا۔ ھامرابی شاہ بابل نے جب سولہ سو قبل مسیح مقام سری پک کو فتح کیا ہے تو کتبوں میں اسے شہر کشتی نوح لکھا ہے۔ بیروسس لکھتا ہے کہ اسی شہر میں قبل از طوفان اردتیس رہتا تھا۔ جسے توریت میں میخ لکھا ہے اور بعد ازاں اور حاسیس یا حسیسادرہ جسے یہودی نوح کہتے ہیں وہاں مسکن گزین رہا ہے۔

توریت میں لکھا ہے کہ نوح بمعہ اپنے تین بیٹوں شام، ہام، جعفر اور ان کی بیویوں کے طوفان سے بچا ہے۔ مگر کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسیسادرہ اپنی ہمراہ کشتی میں اپنی بیویوں، نوکروں اور لوگوں کے بیٹوں اور ملاحوں کو لے کر بچا ہے۔ اور بیروسس بھی اس امر پر متفق ہے کہ بہت سے لوگ جہاز کے ذریعہ سے بچ گئے تھے۔ ملک بابل کے رہنے والے بھی خلیج فارس کو ہمیشہ مقدس خیال کرتے تھے اور ان کی حکایات میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں عجیب طرح کے باشندے اس پانی میں رہتے تھے۔ جن کا آدھا جسم مچھلی اور آدھا انسان کا تھا اور وہ بابل کے جاہل لوگوں کو زمانہ قدیم کی تہذیب اور علم سکھاتے تھے۔ ان بیانات سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ موجودہ چند

مذہبوں کے بعض عقائد کس قدر پرانے ہیں۔گویا کہ وہ طوفان نوح کے وقت سے ہیں اور مزید برآں مذہب کا خیال بھی بنی نوع انسان کو قدیم سے ہے۔

جب نمرود کا عزیز دوست حیابانی مر گیا تو لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حیابانی زمین پر رہ نہیں سکتا اور مختلف خداؤں کے سامنے درخواستیں کی جاتی ہیں کہ اسے آسمان کو بلالیں۔حتیٰ کہ حکم الٰہی سے حیابانی کی روح کو اجازت مل جاتی ہے اور حیابانی کی روح زمین پر تقریریں کرتی ہے اور لوگوں کو اس امر سے واقف کر رہی ہے کہ جسم انسانی دو ہیں۔

کتبوں میں ایک اور دلچسپ حکایت یہ ہے کہ ایک عورت مسماۃ اشتیر ایک جادوگر کی بیٹی مزدور پر عاشق ہو جاتی ہے اور اس سے شادی کرنے کی درخواست کرتی ہے اور نمرود کے انکار پر وہ بڑی رنجیدہ ہوتی ہے اور نمرود کے ذلیل کرنے کیلئے اپنے باپ سے مدد مانگتی ہے۔جادوگر اسے نمرود کی فوج تباہ کرنے کے لئے ایک پردار بیل حوالہ کرتا ہے۔مگر حیابانی اس بیل کو مار ڈالتا ہے اور اشتیر کو ناکامی ہوتی ہے۔زمانہ مابعد میں خالدین غالباً اس عورت کو بھی خدا ماننے لگے تھے۔

مندرجہ ذیل ترجمہ سے جو پرانے کتبوں سے لیا گیا ہے۔آپ اس قوم کے خیالات متعلق دوزخ کا اندازہ لگا سکتے ہیں:۔

کتبہ کا ترجمہ

ہیرس یعنی میرے علم کی زمین کی طرف اشتیر بنت سین کے کان مائل ہوئے۔دختر سین نے اپنے کانوں کو خانہ رفتگاں یعنی ملک خدائے ارکالا کی طرف مائل کیا۔اس گھر کو جہاں سے باہر جانے کا راستہ نہیں۔وہ سڑک جس کے گزشتہ نشان مٹتے جاتے ہیں۔وہ مقام جہاں کے باشندے روشنی کے لئے للچاتے ہیں۔وہ جگہ جہاں کی غذا مٹی اور کیچڑ ہے۔وہاں کی روشنی کبھی کسی نے نہیں دیکھی۔سب تاریکی میں رہتے ہیں (غیر ضروری) اس کے دروازے اور قفل پر مٹی پڑی ہوئی ہے۔یہ اندھیرا مقام جہاں کے باشندے بھوک کے باعث میل کچیل نگلتے ہیں۔وہاں سات دروازوں پر روشنی کے محافظ ہیں اور اب اجل اس کے چاروں طرف موجزن ہے۔یہ کمزور اور مفتوح شدہ لوگوں کا گھر ہے۔یعنی عورتیں جو اپنے خاوندوں سے گمراہ ہوتی ہیں اور مرد جو اپنی عورتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور سرکش لڑکے۔

بادشاہان خالدین

بیروسس کی تاریخ کے بموجب خالدین کا شاہی خاندان 2250 (دو ہزار دو سو پچاس) قبل مسیح تک حکمران رہا ہے۔ مختلف مؤرخین سے جو کچھ حالت ملتے ہیں وہ غیر مکمل ہیں۔ بیروسس لکھتا ہے کہ طوفان کے بعد ملک خالدی میں یکے بعد دیگرے چھ خاندانوں کے بادشاہ حکومت کرتے رہے ہیں۔ پہلے خاندان کو جس میں 86 بادشاہ تھے (36080) چھتیس ہزار اور اسی سال حکومت دیتا ہے۔ مگر چونکہ یہ بعید از قیاس ہے اس لئے مؤرخین قدیم سے شمار و تعداد میں قابل اطمینان مدد ملنی ناممکن ہے۔ ہاں کتبوں کے ذریعے سے بہت سی تاریخیں ملی ہیں جنہیں مرتب کرنے سے ہم تاریخ کی بنا کسی قدر صحت پر دھر سکتے ہیں۔

طوفان نوح سے پہلے کے بادشاہ

ایلورس (ادی اُور) الاپاروس۔ المیلون۔ المینون۔ ایمیگالاروسس۔ ایدواخوس۔ ایمپین۔ اوتیارتس (باراتوتا) حسیسادرہ (یعنی جس کے وقت میں طوفان ہوا)

طوفان نوح سے بعد کے بادشاہ

(1) الی۔ (2) الوکاسات۔ (3) جیل اگونونا۔ (4) ابل کو

جس وقت سے تاریخ شروع ہوتی ہے

(بلوسس) نمرود۔ نمرود کی اولاد کے حالات مجمل نہیں ہیں۔

شاہان بابلون (بابل+)

بادشاہ اول سوکونا۔ (2) امہ سریتو۔ (3) آگورامی۔ (4) آبی۔ (5) تاسی گردبار۔ (6) اگوکاک رمی (جس نے بیل کے مندر کو بحال کیا)۔ (7) سُمسُو۔ (8) زابو (جس نے مقام سپارہ پر دو مندر بنائے)۔ (9) آبل۔ (10) سین۔

شاہان اُور (جسے عرب مغیر کہتے ہیں)

(1) ارخ (بہت سے مندر بنائے)۔ (2) دنگی۔ (3) گنگوتا (خلف اسی داگان شاہ

کاراک)۔(4)سوآ گو۔(5) آمرآ گو(شہرابوشہرین کو بنایا تھا)۔(6) آبل آ گو۔

شاہان کاراک

(1) گامل نپ (نیپور میں ایک مندر بنایا)۔(2)اسی بارا۔(3)بست آنونیتا۔(4)اسی داگان (مقام اُور پرایک مندر بنایا۔(5)اِلو۔

شاہان ارخ جنہیں آج کل دارکا کہتے ہیں

(1)بیلات سونات (ملکہ)۔(2)سین گالت (اناک مندرکومرمت کیا)

شاہن لارسہ جنہیں سوکریہ بھی کہتے ہیں

(1)نورڈول۔(2) گاسین۔(3)سین اِدینا۔(4)اِم آگو(خلف کدار مابوک)

شاہان اکاد

(1)اے۔(2) آمات نیم۔(3)سارگون (جس نے 45 سال حکومت کی)۔(4)نارام سین (سارگون کا بیٹا)۔(5)اِلات گولد (عورت)

شاہن الامیت

(1) کدورنون ہندی 2280 قبل مسیح۔(2)حذورلومر۔(3)سمتی سلماک۔(4) کدور مابوک(اس بادشاہ نے آسیر مافتح کیا)

شاہان ہموقت الامیت

ذاکرالدین (کدورنون ہندی کے وقت میں)امرافیل (شاہ شینار) اری اوخ (شاہ الاسر)تدال (شاہ گویم)

شاہان بابلون

(1)ہاموں رابی (کدور مابوک اوراسکے بیٹے کوفتح کیا)۔(2)ساموا تینا(بابل کے مندرکو ازسرنوتعمیرکیا)۔(3) آمی دکاگا۔(4)کوری گازرو۔(5)ساس سیہود۔(6)اولدم بوری یاس۔ (7)نازی مروداس۔(8)ملی سیہو۔(9)برناپوری یاس۔(10)کارا ہنل (1600 قبل مسیح)۔

(11)ساکاسیالتاس (سپارا کے مندر کواز سرنو تعمیر کیا)۔(12)ہاربی سیہو۔(13)کاری اندرس (1450 قبل مسیح)اس بادشاہ نے آسریا کے ساتھ معاہدہ کیا۔(14)برنابریاس(1430 قبل مسیح شاہ آسریا کی بیٹی سے شادی کی)۔(15)کاراہاردرس (1410 قبل مسیح قتل ہوا)۔(16)نازی بوگاس(1400 قبل مسیح)۔(17)کوری گازرو(خلف برنابریاس 1430 قبل مسیح)۔(18)ملی سیہو(1350 قبل مسیح)۔(19)میروداخ بالادان(1325 قبل مسیح)۔(20)نازی مرداس (1300 قبل مسیح)۔

خاندان اسرما

(1)توگلتی نپ(1271 قبل مسیح بابلون کو فتح کیا)۔(2)بُودل(1320 قبل مسیح)۔ (3)زمامہ ذاکردین(1200 قبل مسیح)

باردیگر خاندان خالدی کے بادشاہ

(ان میں اور خاندانوں کا خلط تھا)

(1)بنوچدنذر(1150 قبل مسیح تقریباً)۔(2)کارابریاس (1120 قبل مسیح تقریباً)۔ (3)مارودک نادین رہی(1100 قبل مسیح تقریباً)۔(4)مارودک ساپک رزات(1090 قبل مسیح)۔(5)سادوا (1080 قبل مسیح)۔(6)سیماس سیہو(17 سال حکومت کی)۔(7)احیا موکن زیری(تین مہینے حکومت کی)۔(8)کالونادین آہو(6سال حکومت کی)۔(9)اسادرسر کی ادینا(15 سال حکومت)۔(10)بنوچدنذر(دو سال حکومت کی)۔(11)سوکومنا(تین مہینے حکومت کی)۔(12)بعدازاں ایک ایلامیت ان کا بادشاہ چھ سال تک حکمران رہا۔(13)اُول پال ادینا(دیوار نیپور بنائی)۔(14)بنوذاکراسکون (اسرما سے لڑتا رہا)۔(15)اربی مارودک (16) سیروداخ بالا دان۔(17)وَل ذکر اَزُور۔(18)سیبر (جنوبی اسیرما پر حملہ آور ہوا)۔ (19)نابوبال ادینا(880 سے 885 قبل مسیح تک)۔(20)مارودک ذاکرازکور(853 قبل مسیح)۔(21)مارودک بالا سواکبو(830 قبل مسیح)۔(22)نابونادر (747 قبل مسیح)۔ (23)نابوُساب سی(734 قبل مسیح)۔(24)کین زیرد(732 قبل مسیح)۔ (25)اُلولو یاس (727 قبل مسیح)۔(26)سیروداخ بالادان یا ماروودکماد (722 قبل مسیح)۔(27)سارگون

(710 قبل مسیح)۔(28)ہاگیا(705 قبل مسیح)۔(29)سیرو داخ بالا دان(705 قبل مسیح بحال کیا گیا)۔(30)بل ابنی(703 قبل مسیح)۔(31)اسورنادین سُم(700 قبل مسیح)۔ (32)ارگی بوس(694 قبل مسیح)۔(33)سوزب(693 قبل مسیح)۔

689 قبل مسیح بابلون (بابل) تباہ کیا گیا

(34)اسار ہادون(681 قبل مسیح بابلون کو بحال کرتا ہے)۔(35)ساول موگنا(668 قبل مسیح)۔(36)اسوربانی پال(648 قبل مسیح)۔(37)بل ذاکر اسکون(626 قبل مسیح)۔ (38)نابوپل ازور(626 قبل مسیح)۔(39)نابوکدورازور(605 قبل مسیح)۔(40)آمل ماردوک(562 قبل مسیح)۔(41)زگال سرازور(560 قبل مسیح)۔(42)الباسرکی ادینا(556 قبل مسیح)۔(43)نابوناہد(556 قبل مسیح)۔(44)بل سارازور(539 قبل مسیح سارس بادشاہ فارس بابلون کو فتح کرتا ہے)۔

چند ضروری باتیں

خالدین بادشاہوں میں سے نمرود سب سے زیادہ مشہور ہے۔آج تک اس ملک کے باشندے جب کسی لڑائی کا ذکر کرتے ہیں تو اسے نمرود،سلیمان یا سکندر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مصنفین عرب میں بھی نمرود کا چرچا بہت ہے حتیٰ کہ عربی علم نجوم میں اس کا نام الجبار ہے۔کیونکہ عربی کا لفظ جبار عبرانی سے لیا گیا ہے اور توریت میں جبار نمرود کا خطاب ہے۔نمرود کے فتح یاب ہونے کے بعد قوم سمیت نے شمالی حصوں کی طرف جلاوطن ہونا شروع کیا اور میسوپوٹیمیا کے بالائی حصہ میں نصف دریائے فرات کے قریب بستیاں بسانے لگے۔قوم فونشین نے خلیج فارس کے گردونواح کو چھوڑ کر ملک کنعان کے اردگرد رہائش شروع کی۔جہاں وہ روز بروز ترقی پذیر ہونے لگے۔خاندان ابراہیم اور کئی ارمنی گھرانوں نے ان کی متابعت گوارانہ کی اور منبع دریائے فرات کی راہ لی۔غرض کہ قوم نمرود کو رہائش کے لئے کافی جگہ مل گئی۔اور ان کی آبادی کے بعد جب لڑائی جھگڑے فتح ہوئے تو تہذیب رونق افروز ہونے لگی۔نمرود کی اولاد کا گو ہمیں ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں مگر اس کے بعد امن پرست بادشاہوں نے بہت اچھے اچھے مقامات کو تعمیر کیا۔چنانچہ ایک بادشاہ مسمی بہ ارخ نے ملک کو خوب سنوارا۔اس زمانے میں پختہ اینٹوں کو سورج کی تپش میں پکانے لگے۔چند وسیع اور خوشنما اس زمانہ کی یادگاریں ہیں۔گو خالدین کی عمارات مصر سے لگا نہیں کھا سکتیں۔اس

زمانے میں سوائے مصر کے اور کوئی ملک ان کا ہمپایہ نہ تھا۔اس بادشاہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ مصر کے بادشاہوں کی طرح ظالم تھا کہ لوگوں کو بیگار پکڑ کر مزدوری کراتا تھا اور یا اس نے لڑائیوں میں فتوحات حاصل کر کے قیدیوں کو کام پر لگایا ہوگا۔زمانہ قدیم میں لوگ بجائے لکھنے کے تصاویر بناتے تھے اور صرف چند اسماء کو لکھ سکتے تھے۔مگر اس بادشاہ کے وقت میں تصویریں بنانا ترک کیا گیا اور علامات استعمال کرنے لگے۔اس زمانے کے لکھے ہوئے بہت سے کتبے کھنڈروں میں پائے گئے ہیں۔ارخ کے زمانے میں علم نجوم بھی عام تھا۔ارسطو کا نجوم میں قدیمی خالدین کا شاگرد ہونے پر فاخر ہونا کم سے کم اتنا تو ظاہر کرتا ہے کہ ارسطو کے وقت سے کوئی دو ہزار سال پہلے خالدین کو اس علم میں خاص لیاقت ہوگی۔لباس اور اسباب (یعنی برتن وغیرہ) میں ان کی دستکاری قابل تعریف ہے۔

بابل کو نمرود گو عظیم الشان شہر بنا کر مرا تھا۔مگر اس زمانے میں اشہار ارخ لارسہ اور نیپور کی شہرت سب سے زیادہ تھی۔ایشیا میں سب سے پرانا شہر سوزا ہے جو ایک زمانہ قدیم میں قوم الامیت کا پایہ تخت تھا۔اس ملک کے ایک بادشاہ مسمی بہ کدور ناختا نے 2286 قبل مسیح ملک خالدی پر حملہ کیا اور مندروں اور شہروں کو لوٹ کر واپس چلا گیا۔تعجب کی بات یہ ہے کہ اس بادشاہ کا نام مشہور و معروف زروستر (یعنی زردشت بانی مذہب فارسی) کا ہم معنی ہے۔زروستر کے معنی (زور = تخم۔ اشتر = ایک خدا) ایشتر کا تخم ہیں اور بادشاہ مذکورہ کے نام کے یہی معنی ہیں۔بیروسس اس امر پر مصر ہے کہ یہ بادشاہ خاندان مید میں سے تھا۔جن کا ذکر آئندہ آئے گا اور چونکہ قوم مید آریہ نسل سے تھی اس لئے یورپین مؤرخین کا یہ مقولہ کہ آریاؤں نے دو ہزار قبل مسیح کے قریب صفحۂ ہستی پر قدم دھرا ہے غلط ہے۔آریہ کوئی تازہ نسل نہیں ہیں۔طوفان نوح کے بعد وہ دیگر اقوام کے ماتحت یا گمنام طریق پر رہے ہیں۔جب شمار و تعداد میں وہ بڑھ گئے تو انہوں نے غلبہ پکڑنا شروع کیا۔اگر بالفرض شہر سُوزا کا بادشاہ کدر ناختا قوم مید سے نہیں۔تو قوم ساسان میں سے ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔کیونکہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم نے ارخ اور الگی کو فتح کرنے کے بعد ملک بابلون پر بھی تسلط جمایا تھا۔اس قوم کے صرف پانچ بادشاہوں کے نام ہمیں معلوم ہیں۔ان میں کدورلاگامر جسے توریت میں حذورلومر کہا ہے۔الام میں حکمران تھا۔اس بادشاہ نے فوج کثیر جمع کر کے اپنے ملک کو مصر تک وسیع کرنا چاہا اور دریائے فرات کے منبع کی طرف بڑھ کر اپنی باجگزار ریاستوں کی مدد سے ارض فلسطین تک جا پہنچا۔وہاں کے بہت سے شہزادوں نے مل کر اس سے وادی سِدم میں جنگ کی مگر شکست پائی۔حذورلامر نے مفتوحہ شہروں کو لوٹنا شروع کیا اور

ابراہیمؑ کے بھتیجے لوطؑ کو مقید کرلیا۔حذ ورلومرلوٹ مار کرتا ہوا دمشق تک جا پہنچا تھا کہ یکا یک ابراہیمؑ نے حملہ آور ہو کر شکست دی۔گو اس لڑائی میں جانیں بہت تلف ہوئیں مگر بادشاہ میسو بوٹیمیا کو نصیحت مل گئی کہ آئندہ دریائے فرات سے آگے قدم رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔بعض مؤرخین اس بادشاہ کو منصور کا خطاب دیتے ہیں۔کیونکہ اس قدیم زمانہ میں بارہ سومیل تک فتح کرتے چلے جانا بڑی بہادری کا کام تھا۔اس خاندان کے بدشاہوں میں سے کدور ناختنا اور حذورلامر مشہور ترین ہیں۔کیونکہ ان کے وقت میں ملک کوایلدم کی کوہستان سے لے کر بحیرہ روم تک وسعت ہوگئی۔

مختلف خاندانوں کے بادشاہ جنہوں نے اسرین قوم کے غلبہ سے پہلے یکے بعد دیگرے ملک خالدی میں حکمرانی کی ہے حسب ونسب میں خلط ملط ہو کر آپس میں مشابہ ہو گئے تھے۔چلدین، ساسانی اور عربی کو تین مختلف نسل ہیں۔مگر میل جول سے یکساں ہو گئے تھے۔مگر جونہی تغلاتی نین بادشاہ اسریا نے تیرہ سو سال قبل مسیح اس ملک کو فتح کرلیا تو یکا یک طرح طرح کے تغیرات واقعہ ہونے لگے۔چونکہ بادشاہ اسریا قوم سمیت سے تھا۔اس لئے مفتوح ملک کو چاروناچار فاتح قوم کی زبان اور رسوم وعادات اختیار کرنا پڑیں۔تورانی وضع کے نام بادشاہوں میں اس وقت سے نظر نہیں آتے۔کیونکہ ہر طرح سے قوم سمیت کی پیروی ہونے لگی۔تورانی (منگول) زبان صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے واسطے مختص کی گئی۔چھ صدیوں تک ایک جابر قوم کے زیر اطاعت رہ کر قوم خالدین نے آزادی کے واسطے لڑنا شروع کیا اور 625 قبل مسیح پھر اپنی سلطنت قائم کی۔جس کا آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ایشیائی لوگ انہیں غلطی سے پٹھان اور یورپین پارتھین کہتے ہیں۔گو وہ قوم اب خالص طور پر باقی نہیں مگر اس کا نام ہمیشہ روشن رہے گا۔

عہد حکومت رومن میں شاعروں اور مؤرخوں کو خالدین کا پیرو کہلانا باعث فخر نظر آتا تھا۔حقیقت میں خالدین کے علم نجوم وتنجیم زمانہ قدیم کے ہر ایک مہذب قوم کی آنکھوں میں بے بہا تھے۔

باب دوم

قوم اسرین کا عہد حکومت

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت　　رفت منزل بہ دیگرے پرداخت

مشعل تہذیب جسے خالدین نے روشن کیا تھا۔ آس پاس کی قوموں کو بھی منور کرتی رہی اور اسرین تو ان کے سب سے قریبی ہمسایہ تھے۔ کچھ عرصہ تک میدان ترقی میں خالدین سے پہلو بہ پہلو چل کر گوے سبقت لے گئے اور جب خالدین کے عین زوال کے وقت قوم اسرین نے تیغ مخالفت ہاتھ میں لی تو ناچار انہیں سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

کستیا　موخت　علم　تیرا　زمن
کہ　مرا　عاقبت　نشانہ　نہ　کرد

اسرین کا ملک وسعت میں خالدی سے بڑا تھا۔ دریائے دجلہ ارخابر کا مقام درمیانی ملک اور چند اور مقامات ملک اسریا میں شامل تھے۔ جو بہ ہیئت مجموعی طول میں 350 میل اور عرض کوئی 250 میل ہوگا۔ گو ملک اسریا کی زمین ہموار تھی مگر زراعت وہاں بمشکل ہو سکتی تھی۔ کیونکہ دریاؤں کا پانی سطح زمین سے نیچے تھا اور سوائے امداد عقل و فراست آبپاشی وہاں ممکن نہ تھی چھوٹی ندیاں جو کہ کوہستان سینسار سے آتی تھیں۔ ان کا پانی تھوڑے سے فاصلے تک چل کر زمین میں جذب ہو جاتا تھا۔ زمین کی نمکینی کے باعث قدرتی سبزی بھی وہاں بہت تھوڑی تھی۔ آتش فشاں پہاڑ بھی وہاں موجود تھے۔ جن کے نشانات دریا سے خالور کی دو شاخوں کے میلان کے قریب اب پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک جو کوہ وسودی اس کے مشابہ ہے تین سو فٹ بلند ہے۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ ملک اسریا میں ملک خالدی کی طرح چار مشہور شہر پائے جاتے ہیں۔ توریت میں

لکھا ہے کہ آشورے، امصار، نینوا، ریہو، بوت یا کالہر اور ریسن کو تعمیر کیا تھا۔ عروج کے وقت بھی اس ملک کے چار ہی دارالخلافے نظر آتے ہیں۔ نینوا، آشور، اور کالہ، لابیت سارگنیا۔ علاوہ ان شہروں کے ملک اسریا میں بہت سے اور کھنڈرات جابجا پائے جاتے ہیں۔ کھدائی سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ کھنڈرات جو شہر موصل کے پاس ہیں۔ شہر نینوا کے ہیں۔ لفظ نینوا بہت سی اینٹوں پر مرقوم ہے۔ خدا کی قدرت ملک خالدی اور اسریا جنہوں نے زمانہ قدیم میں اس قدر ترقیاں کی ہیں ہر طرح سے آپس میں مشابہ ہیں۔ دونوں ملک بیرونی علاقوں سے غیر محفوظ تھے۔ گو آج کل اسریا میں بہت برفباری ہوتی ہے مگر اس زمانے میں وہاں کی آب و ہوا خالدی کی طرح تھی۔ ہاں پیداوار میں بہت سا فرق تھا۔ اسریا کی کھجور خالدی کے مقابلے میں بالکل ہیچ تھی اور زیتون تو وہاں بالکل پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ درختوں کے بجائے وہاں صرف جھاڑیاں تھیں۔ مؤرخین قدیم جو اسریا کی سرسبزی کا ذکر کرتے ہیں درحقیقت میں اس ملک کے صرف ایک حصہ سے منسوب ہو سکتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہاں غلہ اور ریشم بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ میوے بھی کئی قسم کے تھے۔ خصوصاً معدنیات میں اسریا اپنے ہمسایہ ملک سے زیادہ امیر تھا۔ تانبا اور سیسہ وہاں بہت تھا۔ سنگ مرمر اور چند اور قیمتی پتھر بھی وہاں پائے جاتے تھے۔ شہر نینوا اور دیار بکر کے قریب عمدہ عمدہ کانیں تھیں۔ ملک اسریا میں بہت سے درندوں کے علاوہ جنگلی گدھا بھی پایا جاتا تھا۔ گھوڑے صرف سواری اور اونٹ لادنے کے کام آتے تھے۔ کبھی کبھی میدان جنگ میں بھی اونٹ پر سوار ہوا کرتے تھے۔

اسرین کون تھے

مؤرخین قدیم اس قوم کے حسب و نسب کی نسبت طرح طرح کی رائے دیتے ہیں۔ مگر کسی قوم کی اصل پر بحث کرنے کے لئے اس کی زبان کا جاننا ضروری ہے اور چونکہ اس قوم کی زبان کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس لئے کسی خاص بیان کا تعین کرنا مشکل تھا۔ آج کل کتبوں کے ذریعہ سے یہ عقدہ کھل گیا ہے۔ پرانے زمانے کی اینٹوں پر طرح طرح کی عبارات تحریر کی ہوئی ہیں۔ جن سے ہم اس قوم کی زبان سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ توریت کے شجرہ نسب کے بموجب ارم قوم ارمن یا اسرین ایبر قوم عبرانی یا بنی اسرائیل اور یوکتن قوم عرب کے بانی تھے اور یہ سب ایک ہی نسل سے تھے۔ زبان خط و خال اور عادات سے نتیجہ نکالنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اسرین قوم

سمیت میں سے تھے۔کردستان کے موجودہ باشندے اسریا کی گردونواح کی اقوام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی زبان سمیت وضع کی ہے۔پس اسرین،سرین، بابلونی،فینشن ،اسرائیل اور عرب ایک ہی نسل سے ہیں۔اس زمانے کی تصاویر بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اسرین نسل سمیت سے تھے۔سیدھے مگر قدرے تنگ پیشانی،موٹی اور بادامی وضع کی آنکھ،خوبصورت اور کنڈی ناک،استقلال مزاج ظاہر کرنے والے ہونٹ،خوبصورت تھوڑی،کثیر بال،داڑھی لمبی اور سیاہ غرض کہ ان کے تمام خط وخال موجودہ یہودیوں سے مشابہ ہیں۔عرب بھی گوانہی کی مانند ہیں مگر خوبصورتی میں زیادہ ہیں۔طاقت اور بہادری میں قوم اسرین موجودہ یہودیوں کے برعکس تھی۔ان کی اولاد میں سے صرف کردان کی بعض خاصیتوں کا دعویٰ کر سکتے تھے۔اسرین عقیدے میں بھی پکے تھے۔ان کے بادشاہوں کے سرنامے ہمیشہ خداؤں کے طریقوں سے شروع ہوتے تھے۔بادشاہ کو بھی اگر کوئی فتح حاصل ہوتی تھی تو اسے خدا ہی کی عنایت پر منحصر جانا جاتا تھا۔اچھی سی اچھی اشیاء بتوں کی نذر کی جاتی تھیں۔اعلیٰ سے اعلیٰ صفت گری مندروں کی تعمیر میں ظاہر کی جاتی تھی۔بادشاہوں کے محل بھی مذہبی تصاویر سے پُر تھے۔جس ملک کو فتح کرتے تھے وہاں کے باشندوں کو آشور کی پرستش کی ترغیب دیتے تھے۔کتبوں کے بموجب آشور قوم اسرین کا بانی ہے۔ چنانچہ لفظ اسرین بھی آشور ہی سے لیا گیا ہے۔مگر رفتہ رفتہ آشور حد انسانی سے گزر کر خداؤں کے فرقہ میں شامل ہو گیا۔جوں جوں وقت گزرتا گیا۔اسرین کو آشور کا اصلی حال تو بھول گیا۔اسے صرف ایک خدا تصور کرنے لگے۔توریت میں لکھا ہے کہ اسرین بڑے خونخوار تھے۔مگر حقیقت میں یہ الزام ان کی متواتر لڑائیوں اور بے انتہا بہادری کا نتیجہ ہے۔بڑے سے بڑے جانور کو چھیڑ کر اس سے بے اسلحہ لڑنے جاتے تھے۔برخلاف اور قوموں کے لوگوں کے جو درندوں کو دیکھ کر کانپ اٹھتے تھے۔اسرین شیر ببر تک کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور خود ان کی تلاش میں روانہ ہوتے تھے۔اس قوم کی جفا کاری میں بھی کچھ شک نہیں۔شہر نینوا کیا بلکہ دارالظلم تھا۔گو فاتح قوموں سے بہت تھوڑے نظر آتے ہیں جنہوں نے مفتوحوں پر رحم کھایا ہو مگر اسرین خصوصاً جہاں لڑنے جاتے تھے ملک کو تباہ ویران اور باشندوں کو ترساں اور ہراساں کر کے آتے تھے۔گو اسرین میدان جنگ میں خونخوار اور ظالم تھے مگر مفتوحوں کا کہنا سنتے تھے اور قید کرنے کو قتل کرنے پر ترجیح دیتے تھے اور اکثر معاف بھی کر دیتے تھے۔عورتوں پر خصوصاً زیادہ رحم اور شفقت ظاہر کرتے تھے۔دغا بازی اور کذب گو کمزوروں کا شیوہ ہے مگر افسوس ہے کہ بعض قوی اور طاقتور قوموں میں بھی یہ مہلک اور تباہ کنندہ

شیوہ پایا جاتا ہے۔ اسرین باوجود طاقت اور بہادری کے اس عادت بد سے بری نہ تھے اور یہی ان کے زوال کا باعث ہوا۔ تکبر بھی اس قوم میں عام تھا۔ سوائے اپنے باقی سب کو ناچیز سمجھتے تھے اور غیر قوموں کو صرف نقال پن اور اوزار بنانے کے قابل سمجھتے تھے اور اس لئے اپنی عمارات میں دوسری قوموں سے مدد لیتے تھے۔ یونانی مؤرخین کے بموجب اسرین میں سب سے بڑا عیب عیش وشہوت پرستی تھی۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ابتداء ہی سے اس قوم میں ساری برائیاں موجود تھیں۔ یونان کو ان کے واقعات اخیری کی خبر ملی ہے اور اس میں تو ہم کوئی شک نہیں کر سکتے کے زوال کے وقت وہ سب عیبوں میں کامل ہو گئے ہوں گے۔ یونسؑ شہر نینوا کے ظلم و جفا کاری کی شکایت کرتے تھے۔ سفحانؑ اسی ملک کی تباہی کو جھوٹ، دغابازی اور لوٹ مار پر مبنی کرتے تھے۔

دماغی طاقتوں میں اسرین ایشیا کی سب قدیمی اقوام سے بہتر گنے جاتے ہیں گو انہوں نے تہذیب کا بہت سا حصہ خالدین سے سیکھا تھا۔ مگر ان کی زباندانی ہنر اور طرز حکومت اعلیٰ درجہ کی لیاقت ظاہر کرتے تھے۔ اگر مصنف مزاجی سے قوم اسرین اور مصر کا مقابلہ کیا جائے تو درست نتیجہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہ ہیئت مجموعی اسرین تہذیب میں مصر سے بڑھ کر تھے۔ مصر ان کی زباندانی، طرز تحریر اور مذہب میں برابری نہیں کرسکتا۔ علم حرب میں بھی وہ لاثانی تھے کیونکہ مصری ہمیشہ امن پرست اور بزدل رہے ہیں۔ ہاں علم تعمیر میں مصر ان سے بدرجہا افضل ہے اور حقیقت میں مصر کی عمارتوں سے رومن عمارات بھی لگا نہیں کھا سکتیں۔

شہر نینوا کے کھنڈرات

پہلے پہل جب روم کے اس حصے میں جہاں اسریا واقعہ تھا کھدائی کی گئی تو شہر نمرود کے کھنڈر ملے۔ مگر مؤرخین نے محلات عالی شان اور خوبصورت مکانات کو دیکھ کر سمجھا کہ شہر نینوا ہے۔ بعد ازاں شہر خورس آباد کے پاس اور کھنڈرات ملے بے سوچے سمجھے مصنفوں نے چند دلائل دے کر اسے شہر نینوا قرار دیا۔ خورس آباد، کوین جیک، نمرود اور کربلس کے کھنڈروں کی وسعت 216 مربع میل ہے یونانی مؤرخین بھی لکھتے ہیں کہ یہاں پہلے ایک نہایت وسیع شہر آباد تھا مگر ان تمام شہروں کی اینٹوں پر ان کے علیحدہ علیحدہ نام پڑھے جاتے ہیں۔ پس انہیں شہر نینوا تصور کرنا غلطی ہے۔ یونس کہتے ہیں کہ وہ شہر نینوا کو گئے تھے اور بیان کرتے ہیں کہ وہ شہر اتنا بڑا تھا کہ ایک سرے

سے دوسرے سرے تک جانے میں تین دن لگتے تھے اور وہاں کے باشندوں میں سے ایک لاکھ بیس ہزار شہر کے حدود سے ناواقف تھے۔ بہر صورت یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہر بہت وسیع تھا۔ اور جیسا کہ یونسؑ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ بیس ہزار شہر کی حدود سے ناواقف تھے اس سے یہ مراد ہوگی کہ شہر میں لڑکوں کی تعداد اس قدر تھی۔ پس تمام شہر کی آبادی چھ لاکھ کے قریب ہوگی۔ شہر موصل کے قریب کھدائی کرنے سے شہر نینوا کا پتہ مل گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یونسؑ نے شہر کی وسعت بیان کرنے میں کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ شہر نینوا کے کھنڈرات دو حصوں پر منقسم ہیں۔ ایک حصے کا نام بنی یونس اور دوسرے کا نام کوین جیک ہے۔ کوین جیک جو دوسرے حصے سے 900 گز کے فاصلے پر ہے قابل دید ہے۔ اس کی شکل بیضوی اور زمین ہموار ہے۔ اور رقبہ کوئی ایک سوا ایکڑ کے قریب ہوگا۔ عمارت کی مٹی کا اندازہ لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وزن بتیس کروڑ من سے کم نہ ہوگا اگر ایسی عمارت کے بنانے پر دس ہزار آدمی روزانہ کام کریں تو کہیں بارہ سال میں جا کر ختم ہو۔ اس مقام پر خوبصورت محلات اور مکانات کے نشانات باقی ہیں۔ دوسرا حصہ بنی یونس رقبہ میں چالیس ایکڑ کے قریب ہے اور وہاں کی زمین بمقابلہ کوین جیک کے بلند ہے۔ خصوصاً مغربی جانب کو زمین دیوار شہر سے بھی بلند ہے۔ حضرت یونس کا مزار اسی حصے کے شمال مغرب میں ہے۔ اس کے پاس قوم ترکمان (کُرد) کے گھر بنے ہوئے ہیں۔ جو اس حصہ شہر نینوا کے قدیم سے مالک ہیں۔ مشرقی حصہ میں مسلمانوں کا ایک وسیع قبرستان ہے۔ حصہ بنی یونس کی مٹی وزن میں ایک کروڑ چالیس لاکھ من کے قریب ہوگی۔ بحساب اندازہ کم سے کم دس ہزار آدمی ایسی عمارت کو 5 سال کے عرصے میں ختم کر سکتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں شہر کی مغربی دیوار کو بلند کر کے اس پر محل بنائے گئے تھے۔ دریائے دجلہ قدیم زمانے میں اس شہر کے عین متصل سے گزرتا تھا۔ مگر اب شہر کی دیوار سے کوئی ایک میل پرے ہٹ گیا ہے۔ اس شہر کا گرد 80 میل کے قریب ہے۔ تمام ایشیا میں ایسا وسیع شہر کہیں نہیں۔ ڈایوڈورس یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ اس شہر کی دیوار ایک سو فٹ بلند تھی اور اس کی وسعت کی نسبت یہ کہنا کافی ہے کہ تین بہلیاں پہلو بہ پہلو فصول پر چل سکتی تھیں۔ دیواروں کی چوڑائی آج کل ڈیڑھ سو فٹ کے قریب ہے۔ جو چونے اور پلستر سے بنی ہوئی ہیں۔ گو فصیل کے اندر دھوپ میں پکائی ہوئی اینٹیں ہیں مگر ان کی بیرونی طرف کو پتھروں سے آراستہ کیا ہوا ہے۔ بعض بعض جگہ دیواروں پر بیلوں کی تصاویر ہیں۔ جن کے سر انسانوں کی طرح کے ہیں۔ خوبصورتی کے لئے سنگ مرمر بھی بعض بعض جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ حفاظت کے لئے فصیل کے گرد خندقیں

کھودی ہوئی تھیں۔جن کا پانی دریائے خرسو سے بذریعہ نہر کے لایا گیا تھا اور ایک طرف دریائے دجلہ خندق کا کام دیتا ہے۔شہر کا مغربی حصہ جو دریائے دجلہ کے متصل تھا امیروں کا مسکن تھا۔
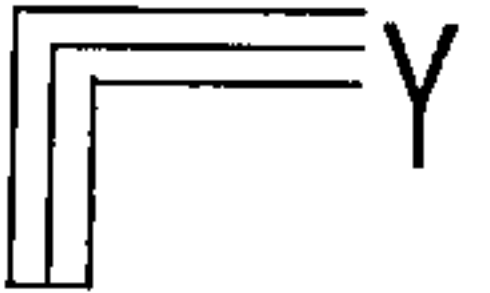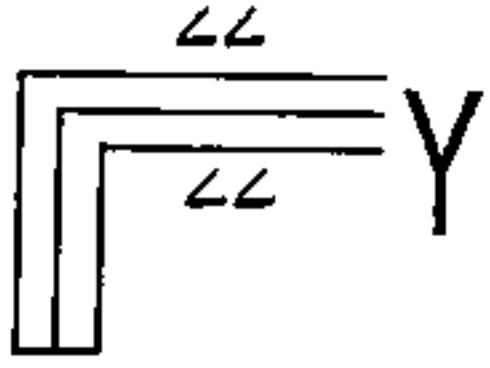
اسریا کی زبان اور طرز تحریر

علمائے قدیم میں زبان اسریا کی نسبت کبھی اختلاف نہیں ہوا۔توریت کے نقشہ جات نسبت قوم اسرین کے بانی آشور کو ارم اور ایبر سے منسوب کرتے ہیں۔یونانی اسرین،سرین اور بابلونیوں کو ایک ہی نسل سے سمجھتے ہیں۔مگر سب مؤرخین حال زبان اسرین کی عبرانی اور خالدی سے مشابہت بتاتے ہیں۔وہاں اسرین حقیقت میں قوم سمیت کی زبان کی شاخ ہے۔صرف مؤرخین قدیم کے لئے ایک امر باعث تذبذب تھا یعنی چند اسرین بادشاہوں کے نام شاہان فارس سے مشابہ تھے اور چونکہ فارسی آریہ نسل سے ہیں اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسرین اور فارسیوں کے ناموں میں کیوں کر مشابہت ہوسکتی ہے۔مگر آج کل کی معلومات نے اس عقدے کو بھی حل کردیا ہے۔اسماء سرکسس،آرلیس،اُرترس وغیرہ جو اسریا کی قدیم تاریخ میں پائے جاتے ہیں وہ صرف قصہ کہانیوں سے لئے گئے ہیں۔آج کل ہمیں تمام بادشاہوں کے نام کتبوں کے ذریعے سے معلوم ہوچکے ہیں اور ان میں کوئی ایسے نام پائے نہیں جاتے۔اس لئے شاہان اسریا کے ناموں میں قوم آریہ کا کوئی اختلاط نہیں۔سیوپوٹیمیا میں بہت سے کھنڈرات سے زبان اسریا کے کتبے دستیاب ہوئے ہیں اور ان کے ذریعے سے اس ملک کی زبان کے مختصر لغات بنائی گئی ہے۔اور جیسا کہ ہمیں زبان لاطینی اور یونانی سے واقفیت ہوئی تھی۔ویسا ہی زبان اسرین معلوم ہوچکی ہے۔بہت سے مٹی کے مرتبان جن میں بعض تین تین فٹ لمبے ہیں،کھنڈرات سے ملے ہیں۔ان پر اسرین بادشاہوں کے وقت کے مشہور واقعات مرقوم ہیں۔جوں جوں ہماری معلومات قوم اسرین کے متعلق بڑھ رہے ہیں۔یہ امر پایۂ یقین کو پہنچ رہا ہے کہ یونانی جنہوں نے تہذیب میں اس قدر ناموری کی ہے موجد نہیں تھے بلکہ انہوں نے ہر بات میں اسریا کی نقل کی ہے۔

قدیمی اسرین میں لکھنے کے دو طریقے تھے۔اولاً پتھروں پر حروف کندہ کئے جاتے تھے مگر چونکہ یہ طریقہ مہنگا تھا اس لئے صرف بادشاہوں ہی کے کتبے پتھروں پر پائے جاتے ہیں۔دوم کچی مٹی کی اینٹ پر لکھ کر اسے آگ میں پکاتے تھے۔یہ طریقہ ایسا عمدہ اور پائیدار ہے کہ اس زمانے کے پرانے سے پرانے کتبے صحیح وسالم پائے جاتے ہیں۔گو ہمیں اس کا کھوج نہیں ملا۔مگر ممکن ہے

کہ اسریا میں تحریر کے اور طریقے بھی ہوں گے۔ کیونکہ مصریوں نے اسرین کے عروج کے کئی سو سال پیشتر سیاہی اور کاغذ کو ایجاد کیا تھا اور چونکہ بادشاہان اسریا کا مصر سے تعلق رہا ہے اس لئے شاید انہوں نے قلم سیاہی سے لکھنے کا طریقہ مصر سے سیکھ لیا ہو۔ مزید برآں فارسی بھی جنہوں نے تہذیب قوم اسرین سے سیکھی ہے۔ ایک قسم کا کاغذ تحریرات میں استعمال کرتے تھے۔

پس یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اسرین جو فارسیوں کے استاد اور ان سے بدر جہا زیادہ مہذب تھے۔ اس آسان طریق تحریر کا استعمال نہ کرتے ہوں۔ چونکہ اسرین نے طرز تحریر کو قوم خالدین سے سیکھا ہے اس لئے ان کا لکھنا بھی مصوری پر مبنی ہے۔ مندرجہ ذیل چند الفاظ سے ناظرین اسرین کی طرز تحریر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

گھر = [علامت] دروازہ = [علامت] مچھلی = [علامت]

سٹراوبیر (فرانسیسی مؤرخ) لکھتا ہے کہ زبان اسرین کے حروف ابجد تین سو اٹھارہ (318) کے قریب ہیں۔ اسرین تحریر پر زیادہ بحث کرنے کے بجائے مناسب ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس زبان کے چند الفاظ بطور نمونہ تحریر کیے جائیں۔

زبان اسرین کا لفظ	معنی	اس کا مشابہ لفظ کسی اور زبان میں
ابو	باپ	ابو (عربی)
آمو	ماں	اُم (عربی)
آخو	بھائی	اخی (عربی)
بال یا پال	بیٹا	بار (سرین) بال (پنجابی) مگر خدا جانے یہ مشابہت کیسے واقعہ ہوئی۔
اِلُو	خدا	اللہ (عربی)
سارُو	بادشاہ	سرو (عبرانی)
ملک	شاہزادہ	ملک (عربی)
بِلُو	امیر	بلو (عبرانی)

نسو	مرد	نسو (عبرانی)
سامی	آسمان	سموی (عبرانی)
ارنست	زمین	انس (عبرانی)
سین	چاند	---------
مرت	سمندر	میر (زبان جرمن ولاطین)
نہر	نہر	نہر (عربی)
یمو	دن	یمو (عبرانی)
الامو	دنیا	علم (عبرانی)
بیت	گھر	بیت (عربی)
باب	دروازہ	باب (عربی)
لسان	زبان	لسان (عربی)
اسار	جگہ	
میتو	سوت	
سولسو	گھوڑا	

چند اسمائے تعریف حسب ذیل ہیں

رائو	بڑا	رابی (عبرانی)
تابُو	اچھا	تابو (عبرانی)
باشُو	برا	باشو (عبرانی)
مادت	بہت	مادت (عبرانی)
رک	دور	رک (عبرانی)

چند حروف تعداد بھی مرقوم کیے جاتے ہیں۔

مذکر	اشتن	شناے	اربات	......	خمشات	ششت	شبت	شمنات
مونث	اخست	......	اربہ	شلاش	خاش	شش	شی	......
معنی	ایک	دو	تین	چار	پانچ	چھ	سات	آٹھ

مذکر	تشست	اسرت
مونث	تشی	اسری
معنی	نو	دس

اشرے 20

شلاشے 30

ارباتے 40

خمشائے 50

ششائے 60

شبائے 70

شمنائے 80

تشائے 90

سے 100

اسم ضمیر کی مثالیں

واحد آناکو = (میں) اتا = (تو) شو (وہ مرد) شی (وہ عورت)

جمع اناخی = (ہم) آتالون = (تم) شونوت (وہ جمع مذکر) شینات (وہ جمع مونث)

با = کون آنو = وہ

افعال

اسرین	ترجمہ	اسرین	ترجمہ	اسرین	ترجمہ	اسرین	ترجمہ
الاک	جانا	بخار	جمع کرنا	بانا	بنانا	دانا	دیتا
دین	انصاف کرنا	دک	مارنا	ابیر	گزرنا	الوسش	بنانا
ارش	پوچھنا	منتر	حفاظت کرنا	نازا	کودنا	نذل	بہنا
سگا	بڑھنا	شکن	بسنا	شتر	لکھنا	سبت	پکڑنا

اسمِ ظرف

اسرین	اردو	اسرین	اردو	اسرین	اردو	اسرین	اردو
یُو	اور	لا	نہیں	لاپانی	منہ کے سامنے	سِلی	مہربانی سے
علت	علاوہ	آدمی	جب تک	کی	اگر		

امثال مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان اسرین نہ تو عبرانی ہے نہ خالدی نہ خوتیشین اور نہ عربی۔ مگر ان سب زبانوں سے اسے بڑی مشابہت ہے۔ اس زبان کی ایک قواعد ایک فرانسیس مسمی اوپیر نے تیار کی ہے۔

اسرین کی لیاقت کو رومن کیا یونانی سب مہذب اقوام مانتے ہیں اور حقیقت میں اس زمانے کی صنعت گری دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ تعمیر، خاکہ کشی، بت تراشی، زرگری، لوہار پن، برتن سازی، کندہ گری، اسباب خانہ بنانے، ہاتھی دانت پر کام کرنے، مٹی کے برتن بنانے اور لباس پر طلائی کام کرنے میں اسرین اپنی ہم عصر ایشیائی قوموں میں ثانی نہیں رکھتے تھے۔ علم جرثقیل میں بھی اسرین ہوشیار تھے۔ مصر و چین کے برخلاف اسریا کی تہذیب روز بروز ترقی کر رہی تھی اور اگر بدقسمتی سے غیر مہذب اور وحشی قومیں حملہ آور نہ ہوتیں تو خدا جانے ان کی تہذیب کس درجہ تک پہنچ جاتی۔

قوم اسرین کے عادات واطوار

"ان کے تیر تیز اور کمان خمیدہ تھے۔ ان کے گھوڑوں کے سموں کو سنگ چقماق اور رتھوں کے پہیوں کو بگولا کہیں تو بجا ہے"۔ (توریت)

اسرین کی عادات و رسومات پر بحث کرنی مناسب ہے کہ ان کے جنگی اور امن کے حالات پر علیحدہ علیحدہ غور کی جائے۔ اسرین بیلوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر یا پیادہ لڑائی پر جاتے تھے اور بہت سی قدیمی اقوام یعنی مصری، یونانی، کنعانی، قوم اسرائیل، یہودی، فارسی اور گال کی طرح رتھوں کو زیادہ معزز اور محفوظ سمجھتے تھے اور لڑائی کے وقت ان میں بیٹھ کر لڑتے تھے۔ بادشاہ تو خصوصاً اسی سواری کو کام میں لاتا تھا۔ شہروں کا محاصرہ کرتے وقت پیادہ تیر اندازی بھی کرتے تھے۔ اسرین جن کی رتھیں لکڑی سے بنائی جاتی تھیں اور ان پر یونانیوں کی طرح سے پیچھے سے سوار ہوتے تھے۔ رتھیں کیا تھیں صنعت اور خوبصورتی کا عطر مجموعہ تھا۔ گھوڑوں پر زریں پوشاک اور گاڑیوں پر بیل

بوٹے عجیب فرحت افزا نظارہ پیش کرتے تھے۔ گاڑیاں صرف دو پہیہ ہی ہوتی تھیں۔ رسالہ جنگی بہلیوں سے دوسرے درجہ پر گنا جاتا تھا۔ ابتدا میں معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ شاذونادر ہی استعمال ہوتا تھا۔ مگر سارگون کے وقت میں رتھیں کم ہو گئیں اور رسالہ پر زور دیا گیا۔ تیر اندازی اور نیزہ بازی کی مشق ہر سوار پر لازمی تھی۔ پیادہ فوج میں ایک تیر انداز اور ایک ڈھالچی ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ تیر چلاتے وقت ڈھالچی تیر انداز کو ڈھال سے محفوظ رکھتا تھا۔ تاکہ اعدا کے تیر کارگر نہ ہوں۔ خود بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ قوم اسرین رومن کی طرح موسم گرما میں اسرین اپنی ہمسایہ ریاستوں پر حملہ آور ہوتے تھے اور جب تک دشمن خراج گزار یا فرمانبردار بن نہیں جاتا تھا ہر سال حملہ کرتے تھے۔ بادشاہ خلعت پہنے لشکر میں بہلی پر سوار ہوتا تھا۔ بہت سے تیر انداز اس کے ہمراہ ہوتے تھے اگر راستے میں کہیں دریا آ جاتا تو بہولیوں کو کشتیوں پر دھر کر پار اتارتے تھے۔ بادشاہ اور امرا کے سوا باقی سب لشکر تیر کر جاتا تھا۔ میدان جنگ میں بادشاہ اور امرا کے لئے خیمے لگائے جاتے تھے۔ مگر باقی سب سپاہ یوں ہی رات بسر کرتی تھی۔ کھانے کے لئے بیل بھیڑیں اور بکریاں ساتھ لے جاتے تھے۔ دوسری قوموں کی نسبت بہتر مسلح ہونے کے سبب اسرین عموماً فتح یاب ہوا کرتے تھے۔ سپاہی مقتولوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کو دکھانے لاتے تھے۔ اس رسم کی بدولت سپاہ غنیم اکثر فنا ہو جایا کرتی تھی۔ جو سپاہی مقتولوں کے سر نہیں پاتے تھے وہ فوج دشمن کے اسلحہ وغیرہ لوٹ کر لاتے تھے اور ایک منشی تمام لوٹ مار کے اسباب کو درج فہرست کرتا جاتا تھا اگر اسرین دشمن کو قلعہ میں محصور پاتے تھے تو اولاً تیر اندازوں کو زینے کے ذریعے سے قلعے پر چڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر جب اس طریقے سے کامیابی نہیں ہوتی تھی تو ایک قسم کے انجن کو جو محفوظ کمرے کی طرح بنا ہوا تھا دیوار قلعہ کے پاس پہنچا کر اس کے ذریعہ سے فصیل کو توڑتے تھے یا ایک اور قسم کی کل کے ذریعہ سے قلعہ میں بھاری بھاری پتھر پھینکتے تھے۔ مگر اس کا استعمال بہت کم تھا کیونکہ عموماً فوج مخالف کے لوگ اس پر آگ پھینک کر جلا دیتے تھے۔ اسرین یوں بھی تو مخالفوں کی خاصی سرزنش کیا کرتے تھے۔ مگر خصوصاً باغیوں پر بڑی جفا روا رکھتے تھے۔ قیدیوں کے ہونٹوں میں سوراخ کر کے بالیاں ڈالتے تھے اور یکے بعد دیگرے بادشاہ کے پاس لاتے تھے۔ کسی پر تکبر سے بادشاہ ٹانگ دھر دیتا تھا کوئی معاف اور کوئی قتل کیا جاتا تھا اور بعضوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ خالدین جہاز رانی میں قابل ہونے کی وجہ سے بحری جنگ بھی کیا کرتے تھے۔ مگر اسرین سے جو دشمن بھاگ کر کسی جزیرے کو چلے جاتے تھے ان کی رستگاری ہو جاتی تھی۔ صرف بادشاہ شلماسر کے عہد میں قوم

اسرین نے جزیرہ طایر پر حملہ کیا تھا۔مگر اس بحری لڑائی میں بھی جہاز ان کے اپنے نہ تھے۔قوم نونیشین سے مانگ کر لئے تھے۔اسریا میں بھی دوسرے مہذب ملکوں کی طرح بادشاہ شائستگی اور اخلاق کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔بادشاہوں کا لباس عرب کی طرح تھا۔اسرین عورتوں کو پردہ میں رکھتے تھے۔اس لئے شاذ و نادر ہی کتبوں میں عورات کا ذکر مل سکتا ہے۔صرف ایک تصویر میں بادشاہ مسہری پر بیٹھا نظر آتا ہے اور ملکہ متصل ایک کرسی پر بیٹھی ہے،خواجہ سرا اردگرد کھڑے نظر آتے ہیں۔ ملکہ کانوں میں بالے اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے ہوئے ہے۔بادشاہ کے خواصوں میں سے وزیر اعظم سب سے بڑا تھا اور اس کا لباس تمام ملک میں بادشاہ سے دوم درجہ کا تھا۔چند قسم کے لباس صرف بادشاہ یا وزیر پہن سکتے تھے اور کسی کو اجازت نہ تھی۔ہر ایک افسر کے لباس میں امتیاز کے لئے کچھ نہ کچھ فرق رکھا جاتا تھا۔اسرین گو صرف ایک عورت سے شادی کرتے تھے مگر ان میں کنیزیں رکھنے کی بری عادت ضرور تھی۔

اسرین علم موسیقی،تجارت اور زراعت کی نہایت قدر کرتے تھے۔بابلونی (اس کے ملک کے رہنے والا جس کا دارالخلافہ بابل تھا) جو اسرین کے ہمسایہ تھے،گانے بجانے پر جان دیتے تھے۔ حضرت دانیال کا بار بار قسم قسم کے سازوں کا ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چھ سو سال قبل مسیح بابلون میں طرح طرح کے اوزار موسیقی موجود تھے۔کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی بھی بہت سے قسم کے ساز گانے بجانے میں استعمال کرتے تھے۔مصر میں چودہ قسم کے ساز پائے گئے ہیں۔گو اسرین مصریوں جیسے گانے پر فدا نہ تھے مگر ان کے پاس بھی نو طرح کے ساز موجود تھے۔

اسرین نے گو پہلے جہاز رانی میں شوق ظاہر نہیں کیا مگر تغلات پلسر (1120 قبل مسیح) کے زمانے میں اس علم میں بہت سی ترقیاں ہونے لگیں اور تجارت کی رونق بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ نعمانؑ شہر نینوا کی طرف خطاب کر کے کہتے ہیں ”تو نے اپنے تجاروں کو آسمان کے ستاروں سے بڑھا دیا ہے“۔توریت میں لکھا ہے کہ اسریا کا محل و وقوع اس کی تجارتی ترقی کا باعث تھا۔ ہندوستان کی عجیب و غریب پیداوار اقوام مغرب کے پاس بیچنے اور ہندوستان اور فارس کو مغربی عجائبات کے پہنچانے کے لئے انہیں اعلیٰ درجے کا موقع حاصل تھا۔اسرین کا ہندوستان سے تعلق چند کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے۔جن پر ہاتھی اور ہندوستانی خاص قسم کے اونٹ کی تصاویر ہیں۔چونکہ ہاتھی اور خصوصاً ایک قسم کا اونٹ اس زمانے میں سوائے ہند کے اور کہیں نہ تھا اس لئے ضرور ان کی آمدورفت ہندوستان میں ہوتی ہوگی۔جو ان جانوروں کی تصاویر بنانی سوجھیں۔یونانی لکھتے ہیں

کہ اسرین زمانۂ قدیم میں طرح طرح کے مصالحہ جات فروخت کرتے تھے مگر مصالحے قسم قسم کے ہند ہی میں ہوتے تھے۔ پس وہ ہند سے خرید کر مغربی ایشیا میں فروخت کیا کرتے ہوں گے۔

زراعت میں بھی اسرین بڑے ہوشیار تھے۔ نہروں کے بنانے میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ عرب کے موجودہ پل انہی کی ایجاد ہیں۔ بہت سے آلات زراعت جو روم اور ایران وغیرہ میں آج کل رائج ہیں۔ ہزارہا سال ہوئے کہ اسرین نے ایجاد کئے تھے۔

اسرین کی ایک قسم کی ٹوپیاں افغانی کلاہوں سے مشابہ ہیں۔ مگر طوالت میں وہ کلاہ سے زیادہ ہیں اور ان کی نوک کلاہ جیسی پتلی نہیں۔ اسرین طرح طرح کے خوبصورت زیور بناتے تھے۔ شانہ بھی اس زمانے میں بکثرت استعمال ہوتا تھا اور آئینہ بھی دھات سے بناتے تھے۔ غرض عورتوں کے لئے ہر طرح کے عیش وعشرت کے سامان موجود تھے۔ گوشت کا استعمال کم تھا۔ صرف میدان جنگ میں فتح کے بعد گوشت کی ہانڈیاں چڑھا کرتی تھیں۔ مچھلی کو اکثر کھاتے تھے۔ بادشاہ سناشریب اپنے ملک کو غلہ، شراب اور انگور کا گھر کہتا تھا اور وہاں کے زیتون اور شہد کا بھی ذکر کرتا ہے۔ شہر نینوا کے اردگرد انگور بکثرت ہوتے تھے اور شراب خوری بھی اس زمانے میں اعتدال سے بڑھ کر تھی۔ چنانچہ حضرت نعمان شہر نینوا کے باشندوں کو شراب خوری کا الزام دیتے ہیں۔

مذہب اسرین

اس قوم کا مذہب سوائے چند باتوں کے خالدین کے مشابہ تھا۔ گو وحدانیت اس زمانے میں کسی قوم میں نہ تھی۔ مگر خالدین اور اسرین علاوہ بہت سے خداؤں کے ایک کو سب سے افضل مانتے تھے۔ اسرین نے برعکس خالدی کے قومی خدا کو اول درجے کا تصور کر رکھا تھا۔ گو وہ خالدین کے بعض خداؤں کے معتقد تھے مگر انہیں کچھ فضلیت نہیں دیتے تھے۔ اسرین لوگ آشور کی بے حد تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ اپنی خوش قسمتی، ترقی اور فتوحات کو اسی سے منسوب کرتے تھے۔ جب لڑنے جاتے تھے تو آشور کے نام پر۔ جب کوئی ملک فتح ہو جاتا تھا تو وہاں آشور کا بت کھڑا کرتے تھے اور لوگوں کو اس کی پرستش اور تعظیم کرنا سکھاتے تھے۔ آشور بن شام بن نوح اس قوم کا بانی تھا۔ جوں جوں آشور کی پرستش ترقی کرتی گئی اسے خدا تصور کرنے لگے۔ اس کی تعریفات اور صفات بھی بڑھتی گئیں۔ غرض کہ مذہب اسرین صرف آشور کی پرستش پر منحصر ہو گیا۔ شمس (سورج) سین (چاند) نرگال (خدائے جنگ) نین (شکار کا خدا) ول (خدائے برق) اوٹی درجے کے خیال کئے جاتے تھے۔ آشور کا بت ایک عجیب طرح سے بنایا جاتا تھا۔ ایک دائرے کے اندر ایک

پردار آدمی بنا کرا ہے آشور کا بت سمجھتے تھے۔ آشور کبھی ہاتھ میں کمان لئے اور کبھی تیراندازی کرتا نظر آتا ہے۔ پروں کے معنی اس کا ہر جگہ حاضر ہونا۔ شکل انسانی سے مراد اس کی عقل اور دائرہ سے اس کا دوام ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ آشور کی پرستش بطور خدا کے اس کے بانی قوم ہونے پر منحصر تھی۔ پہلے اس کی تعظیم کرتے تھے پھر پرستش ہونے لگی اور آخرکار آشور کو خدا سمجھنے لگے اور اس بات کا خیال کسی کو نہ رہا کہ آیا آشور اصل میں کون تھا۔ آشور گویا کہ خدا کا ہم معنی لفظ ہو گیا۔ آشور کی علامات میں سے ایک شجر مقدس تھا۔ جس کی پرستش بدرجہ کمال تھی۔ حقیقت میں یہ کوئی قدرتی درخت نہیں تھا۔ صرف مصنوعی طور پر ایک عجیب وغریب شکل کا درخت بنایا جاتا تھا۔ غالباً اسرین نے اس درخت کی پرستش قوم فونیشین سے سیکھی ہے۔ کیونکہ اسی قوم سے یہودیوں نے ایک درخت موسوم بہ عاشرہ کو پوجنا سیکھا تھا۔ گولا، ایشتر اور بلیتس (قوم خالدین کی تین مشہور دیویاں) کی پرستش کی جاتی تھی۔ صرف حوا، ینبو وار سیرو داخ کا کم خیال کیا جاتا تھا۔ چونکہ ناظرین قوم خالدین کی بت پرستی کا حال پڑھ چکے ہیں اور اسرین مذہب ان کی نقل ہے۔ اس لئے مضمون کو طویل کرنا بے فائدہ ہے۔ آنو کی پرستش ملک اسریا میں بادشاہ شمس دل حاکم بابلوں کے وقت میں رائج ہوئی۔ جس نے اٹھارہ سو میں قبل مسیح اسریا کو فتح کر کے دارالخلافہ میں آنو کا بت کھڑا کیا۔

مندرجہ ذیل فہرست سے اسریا کے بتوں کے نام معلوم ہو جائیں گے۔ آشور اول درجہ کے خدا کی بیوی شردھا تھی۔ ان کی پرستش قلعہ شرکات میں ہوتی تھی۔

	تثلیث اول			تثلیث دوم			ادنےٰ درجہ کے خدا			
بت	آنو	بیل	حوا	سین	شمس	دل	نین	میرو داخ	نرگال	ینبو
بت کی بیوی	آنوتا	بلتیس	دواکینا	زن بزرگ	گولا	شالا	ملکہ زمین	زیربانیت	لاز	اشتر
خاص مقام جہاں اسکی پرستش ہوتی تھی	قلعہ شرگات	اشور۔ کالہ	اشور۔ کالہ	کالہ	بیت سارگینا	اشور۔ کالہ	نینوا		تاربیسی	کالہ

بت عموماً مٹی سے بنائے جاتے تھے۔ جو قد آدم سے کم ہوتے تھے۔ مگر مندروں کے بت پتھر کے ہیں۔ اکثر اوقات روئین اور گاہے بگاہے سونے چاندی کے بھی بت بنائے جاتے تھے۔ صدقہ گو بادشاہوں کا شیوہ خیال کیا جاتا تھا۔ مگر کم سے کم ہر شخص اس کی قدر کرتا تھا۔ اکثر صدقہ کے بیل مندر پر چڑھائے جاتے تھے۔ سنگدار ٹوپی پہنے بت تخت نشین ہے۔ ایک پروہت پاس کھڑا ہے اور بت کی تعریفیں کرتا ہے۔ بادشاہ چھ پروہتوں کو ساتھ لئے بت پر صدقہ چڑھانے آتا ہے۔ پروہتوں میں سے ایک ہاتھ میں پیالہ پکڑے ہے اور پانچ بیل کی خبرداری کر رہے ہیں۔ منتر پڑھنے اور کئی اور رسومات کے بجالانے کے بعد چند اشیاء مندر میں جلائی جاتی ہیں اور بیل پروہتوں کے ہاتھ لگتا ہے۔ اسریا میں باوجود طرح طرح کی تہذیبی ترقی کے مذہب بہت ادنیٰ تھا اور چند رسومات نہایت شرمناک اور تباہ کنندہ تھیں۔ مثلاً بلیتس (ایک دیبی) کے مندر میں ہر ایک عورت کو ایک دفعہ اس غرض سے جانا پڑتا تھا کہ جو شخص سب سے پہلے اس کا خواستگار ہو اس سے ہم بستری کرے۔ ہیروڈوٹس اور کئی اور مؤرخین اس رسم کا ذکر کرتے ہیں۔

سلطنت اسیریا کے مشہور واقعات

مشہور ترین واقعات ہیروڈوٹس مؤرخ یونان کے بموجب		ہیروسس مؤرخ قدیم کے بموجب	
واقعات	کس سن میں	واقعات	کس سن میں
سلطنت اسریا کا زمانہ عروج	1250 سے 730 قبل مسیح بارہ سو پچاس سے سات سو تیس	اسرین خاندان کے پینتالیس بادشاہ	1301 سے 775 قبل مسیح تیرہ سو ایک سے سات سو پچھتر
میڈ قوم کی بغاوت	730 قبل مسیح سات سو تیس	بادشاہ پل کی حکومت	775 سے 747 قبل مسیح تک
سلطنت اسریا کا زوال	730 سے 600 قبل مسیح سات سو تیس سے چھ سو	شاہان اسریا پل کے وقت سے سارس کے وقت تک	747 سے 625 قبل مسیح

مشہور نینوا کی تباہی	600 قبل مسیح چھ سو قبل مسیح	شہر نینوا کی تباہی	625 قبل مسیح چھ سو پچیس قبل مسیح

بذریعہ کتبوں کے جو جو حالات ہمیں ملے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے ہم بآسانی شاہان اسریا کی سلسلہ وار فہرست بنا سکتے ہیں۔

بادشاہ کا نام	عہد حکومت	واقعات
اسمی داگان	1850 سے 1820 قبل مسیح	
سمس دل نمبر 1	1820 سے 1800 قبل مسیح	
اگور کاپ کا پوسمس دل نمبر 2	1800 قبل مسیح کے قریب	
اِلُو باری تک	1750 قبل مسیح کے قریب	
بیل کاپ کاپو	1700 قبل مسیح	
ادامی بیل بانی	1650 قبل مسیح کے قریب	
آسور ذاکر اسیر نبپ تقل اسوری	1600 قبل مسیح	
ارابی دل آسورنادین آہی	1550 قبل مسیح	
آسورزیری نمبر 1 نابُودان	1500 قبل مسیح	
اسور بل نسی سُو	1450 سے 1420 قبل مسیح	ایک کتبہ پر مرقوم ہے کہ یہ بادشاہ برنا پریاس بادشاہ خالدی کا ہم عصر تھا
بزورآسُور	1420 سے 1400 قبل مسیح	
اسوراابالد	1400 سے 1370 قبل مسیح	
بل نزیری	1370 سے 1350 قبل مسیح	اس بادشاہ کے حالات قلعہ شرکات اور شہر نمرود کے کھنڈرات سے برآمد ہوئے ہیں
یُودِل	1350 سے 1330 قبل مسیح	

بادشاہ کا نام	عہد حکومت	واقعات
وَل نزاری نمبر 1	1330 سے 1300 قبل مسیح	
شمانسر نمبر 1	1300 سے 1271 قبل مسیح	
تغولتی نِنپ نمبر 1	1271 سے 1240 قبل مسیح	ایک کتبہ پر اس بادشاہ کو فاتح بابلون لکھا ہے
بل کدورازور	1240 سے 1220 قبل مسیح	
ننپ پال اسر	1220 سے 1200 قبل مسیح	
اسُوردان نمبر 1	1200 سے 1171 قبل مسیح	
مقاجیل نسکو	1711 سے 1150 قبل مسیح	
آسوراسی لِم	1150 سے 1120 قبل مسیح	
تگلات پلسر نمبر 1	1120 سے 1100 قبل مسیح	
آسوربل کالا	1100 سے 1080 قبل مسیح	
سمس دل نمبر 3	1080 سے 1060 قبل مسیح	اس بادشاہ کا شلمانسر کے کتبہ میں ذکر ہے
آسورداب آمر	1050 سے قبل مسیح کے قریب	
نماقی	1000 قبل مسیح	
آسوردان نمبر 2	930 سے 913 قبل مسیح	اس بادشاہ سے بعد کے نو بادشاہوں کا حال اسرین توپ پر مرقوم ہے
دل نواری نمبر 2	912 سے 891 قبل مسیح	
تگلتی ننپ نمبر 2	891 سے 885 قبل مسیح	
آسورناریر پال	885 سے 860 قبل مسیح	
شلمانسر نمبر 2	860 سے 825 قبل مسیح	
آسوردین پال	827 برس قبل مسیح	
سمس دل نمبر 4	825 سے 812 قبل مسیح	
دل نزاری نمبر 3	812 سے 783 قبل مسیح	

بادشاہ کا نام	عہد حکومت	واقعات
شلما نسر نمبر 3	783 سے 773 قبل مسیح	
آسوردان نمبر 3	773 سے 755 قبل مسیح	
آسورزاری نمبر 2	755 سے 745 قبل مسیح	
تگلات پلسر نمبر 2	745 سے 727 قبل مسیح	
شلما نسر نمبر 4	727 سے 722 قبل مسیح	
سارگون	722 سے 705 تک قبل مسیح	
سناشریب	705 سے 681 تک قبل مسیح	
ایسارحادون	681 سے 668 تک قبل مسیح	
آسور بانی پال	668 سے 626 تک قبل مسیح	
بل ذاکراسکون	626 سے 620 تک قبل مسیح	
آسورایبل الی	620 سے 607 تک قبل مسیح	

اسریا کی تاریخ قدیم نسبتاً بابلون (خالدی) سے زیادہ مفصل ہے۔ بادشاہوں کی تخت نشینی کے حالات واضح اور مکمل ہیں۔ دل زیری کے وقت کے جو کتبے پائے گئے ہیں انہوں نے اسریا کی تاریخ کو مکمل کرنے میں بہت مدد کی ہے۔ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ قوم اسرین کی تہذیب اس زمانے سے جس کا مورخین ہمیشہ ذکر کرتے رہتے ہیں بہت پرانی ہے۔ اس سلطنت کا تاریخی زمانہ یہود اور قوم اسرائیل کا ہم وقت ہے۔ اس لئے دونوں سلطنتوں کے تاریخی حالات کا مقابلہ کرنے سے بہت سی غلطیاں دور کی گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ تا حال چند باتوں کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ایک بادشاہ پل نامی جس نے سلطنت یہود کو فتح کر کے خراج گزار بنایا تھا۔ تا حال اس کے واقعات بلکہ نام تک کتبوں سے معلوم نہیں ہوا ہاں ایک افسر مسمے پل کے کتبے ملے ہیں۔ اس ملک کے کتبوں سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ قوم سمیت سے پہلے دریائے فرات کے قریب ایک قوم تورانی (منگول) نسل کی آباد تھی اور کیا بابلون اور کیا اسریا سب نے اس زمانے میں تہذیب انہی سے سیکھی تھی۔ جب قوم سمیت غلبہ میں آئی تو اس نے مغلوب تورانیوں کی زبان تبدیل کر دی یہ تغیر غیر معمولی نہیں۔ جب قوم سیکسن نے انگلستان کو فتح کیا تو انہوں نے بھی قدیمی باشندوں کی

زبان کا نشان مٹا دیا۔ سلطان روم کی رعایا کا بہت سا حصہ ترکی بولتا ہے۔ گو ان کی اصل زبانیں زمانہ قدیم میں اور تھیں۔ اس امر کا پورا پورا نشان یعنی قوم منگول کی قدیمی تہذیب کی زیادہ واقفیت حاصل کرنے کے لئے کوششیں ہو رہی ہیں اور یقین ہے کہ تاریخ قدیم میں بہت بڑے انقلابات واقع ہوں گے۔

قوم اسرین کو عروج کیونکر حاصل ہوا

اسرین نصف دریائے دجلہ پر آباد ہونے سے پہلے دہانہ ہائے دجلہ وفرت کے قریب آباد تھے۔ اس سرسبز ملک میں جہاں قدرت نے انسان کی آسائش کے لئے ہر طرح کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ اسرین کا ایک گھرانہ بڑھتے بڑھتے قوم بن گیا۔ اسی زمانہ میں انہوں نے اپنے مذہبی عقائد کو پختہ کیا اور ہنر میں بھی خاصی ترقی کی۔ ان کی اس زمانہ کی بنائی ہوئی چیزیں جو کھنڈرات میں سے ملی ہیں۔ ان کے ابتدائی کمالات اور صنعت بڑے اعلیٰ درجے کا ثابت کرتی ہیں۔ اسرین نے خالدین کا تاریخی زمانہ شروع ہونے سے پہلے ملک اسریا میں سکونت اختیار کی ہے۔ چونکہ شاہان خالدی کا راج اس تمام سرزمین پر تھا اس لئے ممکن ہے کہ قوم اسرین کی جلاوطنی خالدین ہی کے حکم سے ہوئی ہو۔ کیونکہ ان میں یہ ایک عام قاعدہ تھا کہ رعایا کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کر دیتے تھے تاکہ ملک میں امن قائم رہے اور ایک ہی نسل کی اقوام آپس میں مل کر باغی نہ ہو جائیں۔ اشور پالت شاہ اسریا کی بیٹی کی شادی برناپریاس بادشاہ خادلی سے ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ان دونوں ملکوں کے شاہی خاندان آپس میں رشتہ داری کرتے تھے۔ برناپریاس کی وفات کے بعد کاراخرداس اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ مگر نازی بوکاس نامی ایک شخص بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر بیٹھا۔ اشور پالت بادشاہ اسریا سے یہ دیکھ کر نہ رہا گیا اور فوراً اپنے پوتے کا انتقام لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ فوج گران لے کر بابلون میں جا پہنچا اور بادشاہ کاذب کو قتل کر کے مقتول شاہ اسریا کے دوسرے بھائی کو تخت پر بٹھایا۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک اسریا ابتدائی زمانہ میں بھی کس قدر عزت و وقعت رکھتا تھا۔ تغلات نین کے وقت میں اسریا نے بابلون کی ماتحتی سے سرکشی کی اور اسی وقت سے ان دونوں سلطنتوں میں بغض و فساد پیدا ہو گیا۔ بابلون میں اس وقت وہاں کے قدیمی مالک یعنی تورانی بالکل شکستہ حال ہو چکے تھے اور قوم سمیت

کے نام اور زبان بھی انہوں نے اختیار کر لی تھی۔ الغرض اس زمانے میں دونوں ملکوں یعنی خالدی (بابلون) اور اسریا میں قوم سمیت غلبہ میں تھی۔ رفتہ رفتہ بادشاہ اسریا کی طاقت کا حال بابلون پر کھلنے لگا۔ مؤرخین قدیم لکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں اسریا نے ملک مصر کو بھی فتح کر لیا مگر یہ غلطی کتبوں سے بآسانی دور ہو سکتی ہے۔ اس زمانے میں لفظ مصر کردستان اور موجودہ مصر دونوں پر اطلاق رکھتا تھا۔ اس لئے نام کی مشابہت سے اکثر مؤرخین دھوکے میں پڑ گئے۔ بادشاہ اسریا نے صرف کردستان کو فتح کیا تھا تغلات نین شاہ اسریا شکار کا نہایت شوقین تھا۔ کتبوں میں ذکر ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے نوسوبیس شیر شکار کئے تھے۔ وہ اپنی کامیابی کو نرگال اور نین (خدائے شکار و خدائے جنگ) سے منسوب کرتا ہے۔

اسریا کی ایک شہزادی مساماہ سمی رامس جس کی تعریف میں قدیمی یونانی اس قدر رطب اللسان ہیں اور اسے سکندر اعظم کا ہمپایہ خیال کرتے ہیں۔ یونانیوں کی تصانیف میں اس کی خوبصورتی کا حال پڑھ کر عش عش کرتے تھے اور اس کی بہادری پر انگشت بدندان تھے اور مؤرخین حال نے اس شہزادی کے حال کو صرف بناوٹی کہانی سمجھا تھا۔ مگر کتبوں سے یہ راز بھی افشا ہو گیا ہے۔ یہ مشہور و معروف عورت بادشاہ دذل لس سوم کی بیوی تھی۔ اس ملکہ کا کتبوں میں ذکر ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اس کی قدر حد سے زیادہ ہوگی۔ ورنہ اسرین کتبوں میں عورتوں کا حال کہیں نہیں پایا جاتا۔

حضرت یونسؑ کا شہر نینوا میں ظاہر ہونا

جبکہ شہر نینوا کی بدکاری اور برائی پایۂ کمال کو پہنچی۔ ایک بزدل بادشاہ نے تخت سلطنت پر جلوس کیا اور شب و روز عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا وہ ظلم جو اسرین میدان جنگ میں ظاہر کرتے تھے۔ خدا کی نظر میں اس زمانے میں معصیت جیسا برا نہ تھا۔ گمراہ لوگوں کا نور قلب انہیں لاکھ ترک گناہ کی ترغیب دیتا۔ مگر شہر میں بدکاری کے وہ وہ سامان بنے تھے کہ فرشتوں کا بھی دل دہل جاتا۔ یکا یک ایک ہیبت ناک آواز شہر میں چاروں طرف گونجنے لگی۔ گھروں، سراؤں اور بازاروں میں جہاں دیکھو وہی کانپتی ہوئی آواز سنائی دیتی تھی۔ ''چالیس دن کے اندر شہر نینوا برباد ہو جائے گا''۔ ایک عجیب اور سادہ انسان چمڑے کے کپڑے پہنے ہوئے جابجا لوگوں کو ان کے انجام بد سے آگاہ

کر رہا تھا۔لوگ حیران اور انگشت بدندان تھے کہ یہ شخص کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ ہزار پوچھتے تھے مگر بجز اس کے اور جواب نہیں ملتا تھا۔

نام نہ پوچھو میرا گمنام ہوں میں
کام نہ پوچھو میرا ناکام ہوں میں

زردرو، پریشان صورت مسافت سے تھکا ماندہ یہ شخص ایک نہایت دل دوز اور وحشت اثر تصویر کی طرح تمام اہل شہر کی نظر سے دور نہیں ہوتا تھا۔ اور اس کے خشک ہونٹوں سے لگاتار یہ خطرناک کلمہ نکل رہا تھا۔ ''چالیس دن کے اندر شہر نینوا تباہ ہو جائے گا۔''

اگر یہ آواز اس وقت سنائی دیتی جبکہ قوم کامیابی اور عروج کی حالت میں تھی اور آئے دن اپنی فتح وظفر کی خوشخبریاں سنتی تھی تو شاید ہی کچھ اثر پیدا ہوتا مگر اب جوان کے دشمن روبہ ترقی تھے اور اسریا کی غفلت نے انہیں قوی ہونے کی مہلت بھی کافی دی تھی۔ ایسے وقت میں جبکہ کسی دشمن کا اچانک فوج گراں لے کر نمودار ہونا ممکن تھا۔ اس آواز نے پیرو جوان کے دل ہلا دیئے۔ یہ مہیب آواز شہر میں گونجتی گونجتی محل شاہی تک پہنچی۔ بادشاہ اس وقت تخت مرصع پر بیٹھے خواصان متعلق کی خوشامد گوئی سننے میں مشغول تھا۔ زبان حلاوت، شراب آتشیں، آنکھ نظارۂ بتان سیمیں اور کان مدح وثنائے رنگیں سے معمور تھے۔ کانپتے ہوئے غلام نے بادشاہ نینوا کی خدمت میں یہ عرض کی۔ جان سوز الفاظ کان سے دماغ اور دماغ سے دل کی طرف مائل ہوئے۔ کلیجہ تھامے بادشاہ تخت پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تاج وخلعت کو اتار پھینکا اور گدڑی پہن کر راکھ میں بیٹھ گیا۔

چہ برتخت مردن چہ برروے خاک

فوراً اعیان سلطنت کو بلا کر حکم صادر کیا۔ کہ اس فرمان کو شہر نینوا میں مشتہر کیا جائے۔ ''اے باشندگان شہر نینوا۔ کیا امیر کیا غریب۔ سب پر کھانا پینا حرام ہے۔ گدڑیاں پہن کر خدا کے سامنے گریہ وزاری کرو تا کہ وہ ہر ایک کو راہ بد سے ہٹا دے۔ اور معصیت سے چھڑا دے''۔ ساکنان نینوا نے قہر خدا سے ڈر کر رونا اور دعائیں مانگنا شروع کیں۔ شہر کی عیش وعشرت گریہ وزاری اور دلسوز نظاروں سے مبدل ہوئی۔ وہ گناہ جنہوں نے ایز دلایزال کو برہم کیا تھا، بند ہو گئے۔ لوگوں نے عجز وانکساری اختیار کی اور توبہ کر کے مرحمت الٰہی کی درخواست کی۔ یونس دیوار شہر سے باہر بیٹھے باشندوں کو انجام بد سے ڈراتے ہی گئے کہ شہر نینوا کی تباہی

قریب ہے۔ مگر خدا بہ نسبت انسان کے مہربان ہے۔ اس نے اس عظیم الشان شہر پر رحم کھایا اور توبہ کرنے والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا۔

گناہوں کا نہیں میرے اگر ہے کوئی حساب
ترے کرم کا الٰہی شمار کچھ بھی نہیں

فتح مصر

720 قبل مسیح اسریا کے ایک خراج گزار بادشاہ سیاکو نامی نے مصر پر حملہ کر کے بعض حصوں کو فتح کرلیا۔ جوشیا ایک اور خراجگزار بادشاہ سیاکو سے عہد و پیمان کر کے اپنے اسریا سے لڑائی کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت سارگون اسریا کا بادشاہ تھا۔ اس نے فوراً فوج عظیم تیار کی اور مقام ریفہ پر جو وادی الوش کے پاس ہے، مصریوں کو شکست فاش دی۔ سباکو تو بھاگ نکلا مگر اصل بادشاہ مصر گرفتار کیا گیا۔ مصر چاروں طرف سے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ غیر قوموں سے شکست کھاتا رہا ہے۔ اس وقت سے مصر اسریا کا باج گزار بنا۔ پھر بخوچدنذر شاہ بابلون کے قبضے میں آیا اور ابھی چار دن بھی آزادی کی ہوا نہیں کھائی تھی کہ فارسیوں نے فتح کرلیا اور باوجود بڑی بڑی کوششوں کے یہ ملک فارسیوں سے آزاد نہ ہوسکا۔ سارس بادشاہ ایران کے ضعیف ہوجانے پر مصر یونانیوں کے ہاتھ لگا۔ اس زمانے سے یونانی، رومن، عرب اور ترک سب باری باری اس ملک کے فاتح بنے۔ بادشاہ سارگون نے یکے بعد دیگرے ملک بابلون اور دیگر اقوام کو مطیع کیا۔ مگر اس بادشاہ کی شمالی مہمات ایسی مشکل نہ تھیں جیسے کہ شمال مغربی املاک میں اقوام زاکرو، تورو، تقت، میدا، ارمن، تباریغی، موشی سے لڑنے میں اسے تکالیف پیش آئیں اور غالباً ان لڑائیوں نے اسریا کی فوجی طاقت کو بہت سا نقصان پہنچایا ہے۔

ہزیکیا شاہ یہودیا سے جنگ 697 قبل مسیح

سناشریب بادشاہ اسریا نے ہزیکیا سے جنگ شروع کی اور یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح کرتا اور لوگوں کو غلام بناتا یروشلم تک جو کہ دارالخلافہ تھا پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ کیا۔ ہزیکیا نے تنگ آ کر خراج گزاری منظور کی۔ سناشریب نے جو خود بھی ضعیف ہو چکا تھا اور پانی کی قلت سے

وقت میں تھا۔ تین سو ٹنے اور سو چاندی کی اینٹیں خراج مقرر کر کے صلح کر لی۔ دو سال کے بعد ہر یکیا نے مصر سے معاہدہ کر کے خود سری اختیار کی اور جب سنا شریب لڑنے آیا تو شب خون مار کر مقام پلوسیم پر اسرین فوج کا بہت سا حصہ قتل کر دیا۔ سنا شریب کو ناچار پیچھے ہٹنا پڑا۔ سنا شریب بڑا بہادر اور صنعت کا قدر دان تھا۔

سلطنت اسریا کا زوال اور قوم سیتھ کا خطرناک حملہ

تہذیب اور شائستگی باشندگان ملک کو طالب عیش و عشرت بناتی ہے اور عیش و عشرت قوی سے قوی قوم کو ضعیف و ناتواں کر دیتی ہے۔ ریگستان اور جنگلوں کے وحشی باشندے ریت کے ذروں کی طرح شمار و تعداد میں بڑھتے ہیں۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ وسط ایشیا کے بنجر میدان جہاں اتنی کثیر التعداد قومیں نمودار ہو رہی ہیں۔ کیونکر اس قدر مخلوق کی پرورش کر سکتے ہیں۔ یہ وحشی اور قوی ہیکل اقوام گمنام جنگلوں سے نکل کر ٹڈی کی طرح اردگرد کے دولت مند اور سرسبز ملکوں میں پھیل جاتی ہیں اور زوال پذیر اور ضعیف قوموں سے ملک کو صاف کرتی ہیں۔ ایشیا میں کمرین، سیتھ (سیس)، پارتھین (پٹھان)، مغل اور ترک نے اور یورپ میں گال، گوتھ، ہون، آوار، ونڈل، برگنڈی اور بلگرین اقوام نے اس حیرت ناک مسئلہ کو حل کیا ہے۔ الغرض اسرین بے خبر اور غافل بیٹھے تھے کہ یکا یک قوم سس نمودار ہوئی۔

لازمی ہے کہ پہلے اس قوم کے اوضاع و اطوار سے ناظرین کو واقف کیا جائے۔ جس سے عیش پرست اور مہذب اسرین کا اچانک پالا پڑا۔ سیس جہاں کہیں کسی دشمن کو قتل کرتے تھے اس کے خون کو پی لیتے تھے اور اس کا گلا کاٹ کر بادشاہ کو مقتول کا سر دکھاتے تھے۔ بعد ازاں سر کی چمڑی اتار کر اپنی لگام کے ساتھ لٹکا دیتے تھے۔ دشمن کے ہاتھ اور بازو کو چھیل کر چمڑے سے ترکش بناتے تھے اور مقتول کی کھوپڑی کو پانی پینے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہ قوم سورج، چاند، آگ، ہوا، مٹی، زمین اور پانی کی پرستش کرتی تھی۔ مندر میں ننگی تلوار کو پوجتے تھے اور اس کے سامنے آدمی یا جانوروں کو ذبح کر کے پانی تلوار پر ڈالتے تھے اور مقید دشمنوں کا قیمہ بناتے تھے۔ درہ ہائے کوہ قاف سے نکل کر سیس اسریا اور میدیا کے شمالی حصوں میں داخل ہوئے اور تمام باشندوں کو قتل کرتے اور شہروں کو جلاتے آگے بڑھے اور فصلوں کو چٹ کر دیا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اٹھائیس سال کے عرصے میں قوم سیس کوہ قاف سے لے کر ملک مصر تک تمام مغربی ایشیا پر حکمران تھی۔ مگر یہ حکمرانی کاہے کی ہوگی۔ محکوم کہلانے کے لئے تو کوئی رہا ہی نہیں تھا۔ شاید

کوئی معدودے چند لوگ پہاڑوں میں چھپ کر بچ رہے ہوں اور یا وہ شخص جنہیں سیس نے قتل کرنے سے تنگ آ کر چھوڑ دیا ہو۔ ملک میدیا کے سوائے کم وبیش ہر ایک ملک قوم سیس کی عنایت سے تباہ و ویران ہو گیا۔ وہ بدہ شہر بہ شہر یہ قوم لوٹتی پھری اور میسوپوٹیمیا پر ابر عظیم کی طرح چھا گئی۔ جوں جوں اس وحشی قوم کی فتوحات بڑھتی گئیں ان کی طاقت کم ہوتی گئی۔ انہوں نے مصر کی طرف بڑھنا چاہا مگر بادشاہ سامنچوس نے تحفہ تحائف دے کر صلح کر لی اور انجام کار یہ قوم ایسی ضعیف ہو گئی کہ اسریا اور دیگر املاک نے جنہیں ان کے ہاتھ سے نقصان پہنچا تھا ان کے استیصال کے لئے کمر باندھی۔ بادشاہ سیا کسارس نے سب سے پہلے ملک بدر کیا اور بہت کو تہ تیغ کیا اور بعض کو کوہ قاف سے پرے بھگا دیا۔ مگر ملک آرمینیا میں ان کا اقتدار بحال رہا اور باجود بہت تکالیف کے یہ وہاں برابر ڈٹے رہے۔

زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد

لوگوں کی عداوت سے تنگ آ کر رفتہ رفتہ انہوں نے نام سا کاسین اختیار کیا۔ اس ظالم اور جفا کار قوم نے اپنے مفتوحہ ملکوں میں سوائے کھنڈرات اور برباد شہروں کے اور کوئی نشان نہ چھوڑا۔ ملک اسریا خصوصاً ان کی حملہ آوری سے ایسا ضعیف ہو گیا کہ ان کا راج اب برائے نام تھا۔ آدھی سے زیادہ رعایا قتل ہو چکی تھی۔ بابلون اور دیگر املاک جو اسریا کے ماتحت تھی ان کا تا حال باجگزار رہنا صرف عادت پر منحصر تھا ورنہ قوم اسرین کی طاقت تو بالکل زائل ہو چکی تھی۔ آسور بانی پال نے ملک کو سنوارنے کے لئے کس قدر کوشش کی تھی مگر بیچارے کی عمر نے وفا نہ کی اور 626 قبل مسیح جاں بحق ہوا۔ آشور اِمد الِن جسے یونانی ساراکوس کہتے ہیں نہایت خطرناک موقعہ پر تخت نشین ہوا۔ ہر طرف بغاوت کی وبا پھیل رہی تھی۔ قوم مید جو ستھ کے حملہ سے محفوظ رہی تھی، غلبہ کرنے لگی۔ سیس (ستھ) کے چلے جانے سے کوکوئی پانچ سال بعد بادشاہ سیا کسارس نے میدیا پر تسلط جما کر عنان توجہ فتوحات کی طرف پھیری۔ اسریا کا ضعف تو اسے معلوم تھا۔ سوسانیوں کے ساتھ عہد و پیمان کر کے اس نے مشرقی حصہ ملک اسریا پر فوج کشی کی۔ بادشاہ اسریا نے فوج کے دو حصے کر کے ایک حصہ سپہ سالار سنوپلاسر کے حوالہ کیا اور دوسرا حصہ اپنے ساتھ لے کر غنیم کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ مگر اس کمبخت سپہ سالار نے عین ایسے موقع پر جبکہ اسریا کی طاقت حوادث زمانہ کے بموجب خستہ حال تھی۔ بادشاہ میدیا سے پوشیدہ طور پر سازش کر لی۔ جس کے صلے میں بادشاہ نے اپنی لڑکی کی اس کے بیٹے سے شادی کرنے کا

وعدہ کیا۔ سپہ سالار کی بے وفائی سے بادشاہ نے ہمت ہار دی اور دشمن کو دارالخلافہ کی طرف بڑھتا دیکھ کر محل کو آگ لگا دی۔ اور بمعہ خواصین کے جل کر راکھ ہو گیا۔ قصہ مختصر سلطنت اسریا جس نے تاریخ قدیم میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے۔ اندرونی خرابیوں کے باعث صفحۂ ہستی سے نابود ہوئی۔ ملک سلیمان سچ پوچھو تو کیا تھا۔ تمام ملک چند اشخاص اور کنبوں کا مجموعہ تھا۔ جو جابجا چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم تھا۔ غرض کہ اس زمانے میں جبکہ ہر ایک شخص اپنے گھر کا بادشاہ ہو تو سینکڑوں بادشاہ بھی زیر حکومت ہوں مگر بادشاہان اسریا کا ملک بہت وسیع تھا۔ ایشیائی روم کا بہت سا حصہ اور مصر ان کے زیر حکومت تھا اور اس زمانے میں اس قدر ملک پر حاکم ہونا تعریف کے قابل ہے۔ اس زمانے کی لڑائیاں کیا تھیں۔ ظلم اور بے انصافی کا کمال تھا۔ حملہ آور اور فاتح رعایا کو ڈرانے کے لئے قتل عام کا حکم دے دیتے تھے۔ مفتوح بادشاہ سلطنت سے برطرف کئے جاتے تھے اور نئے خاندان حکومت کرنے لگتے تھے۔ متابع بادشاہ فاتحوں کے غلاموں کی طرح سمجھے جاتے تھے۔ جب حکم ہو دربار میں حاضر ہونا ضروری تھا اور جب فاتح کے سامنے جائیں، آداب اور کورنش بجالانا لازمی تھا۔ مفتوحہ ملکوں میں سے لوگوں کو پکڑ کر ساتھ لے جاتے تھے یا جلاوطن کر دیتے تھے۔ شہروں کا جلانا یا مال واسباب کا لوٹنا عام قاعدہ تھا۔ آج کل باوجود اس قدر تہذیب اور شائستگی کے ایسی مثالیں باقی ہیں۔ جو قومیں آج کل مہذب ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں ان سے ایسی ایسی باتیں سرزد ہوتی ہیں کہ بیان کرنا مبالغہ سمجھا جائے گا۔ پہلے یہ غضب کی توپیں اور دیگر اسلحہ تباہ کنندہ کہاں تھے۔ پولٹکس کو اگر دغا بازی کا بازار کہیں تو بجا ہے۔ آج کل ایک شرانگیز وبیرزر سے یا فریب سے لاکھوں کی جانیں تلف کر سکتا ہے اور اسکے مہذب پیرو اسے انسانی حمیت کہہ کر فخر کرتے ہیں۔

قوم اسرین کا ہنر اور صنعت کاری اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر یہ قوم قائم رہتی تو بہت سی ترقیاں کر سکتی۔ مصوری اور نقاشی میں وہ قدرت کے نقال تھے۔ بال بال تک کا خیال رکھتے تھے۔ اور اگر ان کی قدامت کا لحاظ کیا جائے تو یونانی جنہوں نے ہنر اور نقاشی میں اس قدر ترقی کی ہے۔ ان کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ زوال کے وقت اسرین ہنر اور صنعت پر از حد فدا تھے۔ اور یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ زوال کے وقت ہر ایک قوم زیب وآرائش اور عیش وعشرت کے کاموں پر مائل ہو جاتی ہے۔

اسرین ناموں کے معنی

مندرجہ ذیل فہرست سے اسرینِ ناموں اور انکے معنوں کی نسبت ناظرینِ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

نام	تشریح	معنی
سارگون	سار = سارو = بادشاہ گون = کن = قائم	قائم بادشاہ
شمس دل	شمس = غلام دل = خدا	خدا کا غلام
آشور ادینِ اغی	آشور = خدا ادین = دیا ہوا اخی = بھائی	آشور کا دیا ہوا بھائی
سناشریب (سناخریب)	سنا = سین = چاند خریب = جمع اخی	چاند کا بھائی
آشور بانی پال	آشور = خدا بانی = بنایا پال = بیٹا	آشور نے بیٹا بنایا
آشور رس الم	آشور = خدا رس = سر اِلم = بلند	آشور کا سر بلند
بل کدور از ور	بل = خدا کدور = بحال رکھے ازور = تخم	بل تخم کو بحال رکھے
بل کالا	بل = امیر کالا = تمام	پورا امیر

آشوربل نی سو	بل = امیر نس = آدمی سو = اُس کا	آشور کا امیر آدمی
بزور آشور	بزور = طاقت آشور = خدا	آشور کی طاقت

باب سوم

قوم مید

خدا ترا بتِ نادان دراز سن تو کرے
ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

آریہ قوم کے چند فرقوں کو دیکھ کر جو وسط ایشیا کے مختلف حصوں میں بکھرے پڑے تھے۔ شاید ہی کوئی ان کی آئندہ ترقی کا اندازہ لگا سکتا آریاؤں کا وہ فرقہ جس نے سب سے اول مغربی ایشیائی تہذیب کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ قوم مید کے نام سے مشہور تھا اور اسریا کے شمال مشرق کے سنگلاخ میدانوں میں مسکن گزین تھا۔ جس وقت اسریا کی زبردست فوجوں نے باری باری اردگرد کے ملکوں کو مطیع بنا کر میدیا (قوم مید کا ملک) کی حدود میں قدم دھرا تو انہیں آگے بڑھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اس قوم کے ضعف اور افلاس پر نظر کر کے اسرین نے تھوڑا سا خراج مقرر کر دیا اور چل دیئے۔ کوئی کیا جانتا تھا کہ یہ گڈریوں کا چھوٹا سا فرقہ جس کی عورات کا حسن اور مردوں کی نازک اندامی اسرین تلوار کے سامنے سپر بن گئے تھے۔ مار آستین نکلیں گے اور ایک قدیمی اور زبردست سلطنت کی ہمیشہ کے لئے جڑ اکھاڑ دیں گے۔ قدرت نے بھی تکالیف کے اس بحر مواج پر جو اس قوم کے راہ ترقی میں حائل تھے۔ حکمت کا پل باندھنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے اقوام سیس کو روانہ کر کے اسریا کے مرغ حیات کے پروبال کاٹے اور پھر عین نازک وقت میں سپہ سالار کی بے وفائی نے اسے داروئے موت پلایا۔

ہر آں کہ زیست بنا چار بایدش نوشید
نہ جام وہر مئے کل من علیہا فان

قوم مید آج کل کے ایرانیوں کی طرح نسل آریہ سے تھے۔آریہ لوگ جو مشابہ زبان بولتے تھے اور خط و خال میں بھی قریباً یکساں تھے۔اس قوم کے عروج کے وقت دریائے سیحوں سے لے کر ستلج تک پھیلے ہوئے تھے۔فارسی،مید، سگارتین، خورسمین، بکترین، سوگرین، ہرکانین، سارنگین، گنداریں اور سنسکرت زمانہ کے ہندوستانی سب ایک ہی نسل سے تھے۔اس قوم کی نسبت توریت میں لکھا ہے۔''کفار میں سب قوموں سے طاقتور اور سارے کافروں سے زیادہ خطرناک'' ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ مید بالکل فارسیوں کی طرح اسلاح پہنتے تھے یعنی تیرو کمان، برچھی اور خنجر سے لڑتے تھے اور ان کے لباس سے جو فارسیوں سے زیادہ مشابہ ہے۔ثابت کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ لڑائیوں میں مشغول رہتے تھے۔پانچ عورتوں سے شادی کرنا اس قوم میں جائز تھا۔مگر امراء کی بیویوں اور کنیزوں کا تو کچھ حد و حساب ہی نہ تھا۔عروج کے وقت جونہی مید شہوت پرستی اور عیش پرستی میں مشغول ہوئے، بیویوں اور خواجہ سراؤں کی تعداد بڑھتی گئی۔حتیٰ کہ اعمال بد ان کے پیش از وقت موت کا باعث ہوئے۔

ملک میدیا کہاں واقع تھا

ملک میسوپوٹیمیا کے مشرق میں ایک نہایت قابل یادگار ملک واقع ہے جسے گزشتہ زمانہ میں میدیا کہتے تھے۔اس ملک کے شمال میں بحیرہ کسپین شمال مغرب میں آرمینیا مغرب میں اسریا اور جنوب میں ایران واقع ہے۔اس ملک کا شمالی حصہ پہاڑوں سے محصور اور پانی کی کثرت سے سیراب تھا۔اس ملک کو قدیم زمانہ میں زاگروس اور آج کل کردستان یا لورستان کہتے ہیں اس ملک کے باشندے قدیم سے خونخوار اور جنگ پسند مشہور ہیں اور بوجہ بلند پہاڑوں اور برفباری کے یہ ملک حملہ آور قوموں کی ناکامی کا باعث بنا رہا ہے۔ایرانی، یونانی اور پارتھین غرض یہ کہ سب بہادر قومیں اس ملک کے فتح کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ترک بھی اس ملک کو ٹھیک طور پر فتح نہیں کر سکے تھے۔مگر چند سال ہوئے ہیں کہ وہاں کے باشندوں نے سلطان کی اطاعت قبول کی اور فوج روم میں جنگ کے وقت والنیٹر بن کر داخل ہونے کا اقرار کیا۔مید شہروں کا بسانا پسند نہیں کرتے تھے اور گاؤں ہی میں رہتے تھے۔تعمیر کا شوق بھی انہیں بہت کم تھا۔اس لئے ان کے وقت کے چند غیر ضروری شہر رہ گئے تھے۔مثلاً اسپہان جسے آج کل اصفہان کہتے ہیں اور جو شاہان صفی کے وقت میں دارالخلافہ تھا اور اس کی شہرت بڑھ گئی تھی۔مگر مید کے وقت میں یہ شہر بھی کچھ ایسا

قابل تعریف نہ تھا۔ آرمینیا جو ملک میدیا کے شمال مغرب میں واقع ہے، دیر تک طاقتور رہا ہے اور عرصہ تک ملک میدیا کے بعض حصے آرمینیا کے قبضے میں تھے۔ مگر زمین کے سرسبز اور شاداب ہونے کی وجہ سے آرمنی رفتہ رفتہ ضعیف اور صلح پسند ہو گئے۔ میدان ہالے زاکروس جو میدیا اور اسریا کے درمیان واقع تھے۔ قوم آریہ کے لئے جو وہاں آباد ہو رہی تھی بہت مفید تھی۔ کیونکہ وہاں کے وسیع چراگاہ یکے بعد دیگرے میدیا اور فارس کے رسالوں کے لئے نہایت کارآمد رہے ہیں۔ فارس میدیا کے جنوب میں تھا۔ ابتدا میں جو آریہ قومیں فارس میں آباد تھیں وہ ضعیف تھیں اور میدیا کے عروج کے وقت فارس شاہان قوم مید کے ماتحت گنا جاتا تھا۔ یہ سلطنت ضرور قوم مید کی نظر میں خار کی طرح کھجلاتی رہی ہو گی کیونکہ فارس کا ایک نہ ایک دن زبردست ہو کر میدیا سے طاقت آزما ہونا یقینی معلوم ہوتا تھا مگر چونکہ میدا اس وقت ترقی میں تھے اس لئے نتائج بد کا ٹھیک اندازہ لگا نہ سکے۔ میدیا کے مشرق میں جنگل آریہ نسل کے فرقوں سے پُر تھے۔ ان میں سے سگارتھیں اور پارتھیں (یعنی پٹھان) قابل ذکر ہیں۔ سگارتھیں گھوڑوں پر چڑھے جنگلوں میں گھومتے تھے اور کبھی آٹھ دس ہزار مل کر لوٹ مار کرنے آتے تھے۔ پٹھانوں کی بستیاں کوہ البرز سے لے کر ہرات تک پہنچتی تھیں اور ان کی اس زمانے کی گمنامی سے شاید ہی کوئی ممکن سمجھتا ہو گا کہ ایک دن یہ قوم ایسی زبردست اور طاقتور ہو جائے گی کہ تمام مغربی ایشیا کی سلطنتوں کو ویران کر کے حکمران ہو گی۔

میدیا طرح طرح کی معدنیات اور پھولوں سے پُر ہے۔ طرح طرح کے قیمتی پتھر اور خصوصاً تبریز کا سنگ مرمر بہت مشہور ہے۔ آج کل وہاں کے بہت سے مقامات یعنی کردستان اور آذربائیجان وغیرہ معدنیات سے بھرے ہیں۔ نمک بھی وہاں بکثرت پایا جاتا ہے۔

قوم مید کا مذہب

قوم مید کے مذہب کا مطالعہ کرنا بوجوہات چند بہت ضروری ہے۔ اولاً اس واسطے کہ یہ سب قدیمی آریہ مذہبوں سے بہتر ہے اور دوم اس سے نسل آریہ کا میلان طبع اور ان کی قدرتی طاقتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تورانی، سمیت اور آریہ تین مختلف نوع انسان ہیں۔ ان تینوں کے خیالات اور قوائے بھی الگ الگ ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے سے ناظرین کم از کم ان تینوں اقسام اشرف المخلوقات کے قدیمی مذاہب سے کم وبیش واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ ان تینوں نسلوں کے لوگوں نے میدان تہذیب میں باری باری قدم رکھا ہے اور بوجہ اختلاف خیالات مختلف باتوں میں ترقی

کی ہے۔ چونکہ موجودہ زمانے کے مہذب لوگ انہی تین نسلوں سے منسوب ہیں۔ اس لئے ان کے فائدہ اور ترقی کے لئے غور کرتے وقت ہمیں ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ حالات اور قابلیتوں سے واقف ہونا چاہیے۔ ان تینوں نسلوں کا وجود بھی حکمت سے خالی نہیں۔ خداوند لایزال نے ہمارے سمجھنے کے لئے قابلیت انسانی کو الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ ہر ایک جزو کے خواص کو سمجھ کر راہ اعتدال اختیار کریں اور خالق نے جس منزل پر پہنچنے کے لئے ہمیں مقرر کیا ہے وہاں تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ میں قدیمی مذاہب کی واقفیت پر اس لئے زور دیتا ہوں کہ کوئی تہذیب بغیر مذہب کے حاصل ہو نہیں سکتی اور ہر ایک ترقی جو مذہب کے بغیر ہو ناپائیدار ہے۔ منزل حقیقت کو پہنچنے کے لئے ہمیں ایک دور دراز سفر درپیش ہے۔ اس خطرناک سفر میں سوائے مذہب کے اور کوئی ہماری رہبری کر نہیں سکتا۔ سچا مذہب ایک ہادی بے بدل ہے جو بہ مدد الٰہی نقش پائے رفتگان کو دیکھ دیکھ کر ہمیں راہ راست کے قریب پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جو جو اس رہبر کی پیروی کرتے ہیں حقیقت کے قریب پہنچتے جاتے ہیں۔

قدیم زمانے میں میدکتاب ژندآوست کے معتقد تھے۔ یکنا یعنی قربانی کی نسبت اس کے کتاب کے کتھا نہایت پرانے ہیں۔ کتاب ژندآوست کا اصل نام آوست وژند ہے۔ جس کے معنی لازمی اور اختیاری ہیں۔ یعنی اس کتاب کا ایک حصہ ایسا ہے جو نہایت ضروری احکام سے پُر ہے اور دوسرے حصے میں جو باتیں درج ہیں وہ ایسی ضروری نہیں۔ کتاب ژند کی زبان سنسکرت سے مشابہ ہے۔ اس کی آٹھ فصلوں کے نام یکنا، دسپوراتو، ویندادلیشتس، نیالیش، افریگان، کاہ اور سروزاہیں۔ چار سو سال قبل مسیح ساسانی بادشاہوں کے وقت اس کتاب کا ترجمہ زبان پہلوی میں کیا گیا تھا اور پندرھویں صدی میں نرایوسنگھ صاحب نے اس کے ایک فصل یکنا کا ترجمہ سنسکرت میں کیا تھا۔ اس کتاب یعنی ژند کے بعض حصے نہایت دلچسپ ہیں اور ہندوستان کے پارسی اسی کے معتقد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ گو ان کا مذہب زمانہ قدیم میں بگڑ بگڑ کر بہت تبدیل ہو چکا ہے۔

قدیم زمانہ میں ہندوستان اور فارس کے آریہ مشابہ مذہبوں کے پیرو تھے۔ ہندوستان میں برہمنوں کے زور اور فارس میں مجوسیوں کے اقتدار نے قدیمی آریہ مذہبوں میں اختلاف پیدا کئے۔ قدیمی آریہ بہت سے خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ مگر یہ سب قدرتی طاقتوں کے نام تھے۔ فارس اور میدیا کے آریہ تو سال ہا سال تک پرانے آریہ مذہب کے اصولوں کے معتقد رہے۔ مگر ان آریاؤں نے جو ہند میں آ کر آباد ہوئے۔ صنعت میں ایسی ترقی کی کہ بت گھڑنے میں کامل ہو گئے۔ ابتدائی حالت میں تو ان کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر ایک قدرتی طاقت ایک خدا ہے اور وہ دل ہی دل

میں اس کی پرستش کرتے تھے۔ ہندوستان میں آ کر وہ ان خداؤں کے بت بنانے لگے اور رفتہ رفتہ ان کے خیالات میں اس قدر تغیر واقع ہوا کہ وہ اس پتھر یا مٹی کے بت ہی کو ایک خدا ماننے لگے اور ان کی دعائیں اس پارہ خشت یا سنگ سے منسوب ہونے لگیں۔

میدان قدرتی طاقتوں کو آسورا یا اہورا کہتے تھے اور اِندر (یعنی خدائے طوفان ورعد) متھرا (ضیاء الشمس) آرامتی (زمین) وایو (ہوا) اگنی (آگ) سوما یا ہوما (یعنی خمار) وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ پرستش کرتے تھے۔ پروہتوں کا کادی (یعنی دیکھنے والا) یا رسخ (یعنی دانا) کہتے تھے۔ سوما یعنی ایک قسم کی بھنگ کو گھوٹ کر پروہتوں کو پینے کے لئے نذر کرتے تھے جو پی کر بدمست ہو جاتے تھے اور اس طرح سوما کی پرستش پوری ہو جاتی تھی۔ شاید یہ اس زمانہ کے پروہتوں کا مقولہ ہوگا۔

گر مے فروش حاجت رنداں روا کند
ایزو گناہ بخشد دافع بلا کند

سوما کی رسم آریہ ورت میں بھی جاری تھی۔

رفتہ رفتہ مید کے عقائد میں یہ فرق پڑا۔ کہ نیکی اور بدی کے الگ الگ خدا ماننے لگے۔ نیک خداؤں کو آسورا یا اہورا کہتے تھے اور بدی کے خداؤں کا نام دیو تھا۔ یہ قوم فرشتوں کی بھی معتقد تھی۔ جنہیں اس زمانہ میں ایزد کہتے تھے۔ فارسی کا لفظ یزدان یا ایزد اسی سے لیا گیا ہے۔

باوجود ان مختلف عقائد کے ابتدائے میں اس قوم کے مذہب کا میلان وحدانیت کی طرف تھا۔ اہورامزدا کو خدائے بے نظیر سمجھتے تھے اور اس کی پرستش درجہ کمال پر تھی۔ اسے پیدا کرنے والا بحال رکھنے والا اور تمام دنیا کا حاکم جانتے تھے۔ اہورمزدا روح انسانی اور روح حیوانی کا خالق ہے۔ اس نے آسمان، نجوم، زمین، پانی اور درخت وغیرہ پیدا کئے اور وہ اچھے حیوانات اور صرف اچھی اور صادق چیزوں ہی کو پیدا کرتا ہے اور خود بھی وہ اچھا مقدس، صاف اور صادق ہے۔ وہ تمام ہستی سے برتر اور مبارک ہے۔ اسے دوام اور تمام برکت، صحت، دولت، خوبی اور عقل حاصل ہے۔ قوم مید کا خدا اہورمزدا بظاہر گو یہودیوں کے الوہم یا جہودا سے مشابہ ہے۔ مگر آلوہیم کے بعض صفات نہایت ہولناک اور دہشت ناک ہیں۔ ظاہراً مشابہت عقائد کی وجہ سے جب یہودی اور قدیمی ایرانی آپس میں ملے تو وہ ایک دوسرے کے مذہب کی عظمت کرنے لگے۔ فارسیونکا یہودیوں پر مہربان رہنا اور یہودیوں کا فارسیوں کی اطاعت میں ہمیشہ وفاداری ظاہر کرنا اس وجہ سے کہ مذہب زردشت و یہود دونو بت پرستی کو منع کرتے تھے۔ قدیمی فارسیوں کے عقیدہ کے بموجب اہورمزدا کے ماتحت بہت سے فرشتے تھے۔ جن میں سے ایک ووہومنو (یعنی نیک دل)

دوسرا مزدا (یعنی دانا) تیسرا آشا (یعنی صدق) صرف خدا کی صفات ہیں۔ ایک اور فرشتہ جس کے کہ وہ معتقد تھے سروش ہے۔ فارسیوں میں سروش کی وہی تعریف و خصائل ہیں جو کہ یہود میں حضرت جبرائیل سے منسوب تھیں۔ یعنی کہ وہ اہورمزدا کا پیغام بردار ہے۔ ارمٹی (زمین) بھی ایک فرشتہ گنی جاتی تھی۔ مگر ان کے عقیدہ کے بموجب زمین خود ہی ایک فرشتہ نہ تھی بلکہ ارمٹی نام کا ایک فرشتہ زمین پر مقرر تھا۔ جو کہ زمین کی جان اور عفت کا نگہبان تھا۔ وہ مانتے تھے کہ ارمٹی جا بجا پھرتا ہے اور بنجر اور ویران زمینوں کو قابل زراعت بنانے کا کوشاں ہے۔ اس لئے وہ زمینداروں پر مہربان اور اس کا رفیق ہے۔ حتیٰ کہ وہ گڈریوں کو بھی زراعت میں مشغول ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ مزید برآں ارمٹی انسان کو ایسی ایسی قابلیتیں سکھاتا ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہو سکتی اور خود انہیں وہ اہورمزدا سے سیکھتا ہے۔ قدیمی فارسی نہ تو آگ اور نہ سوما کی پرستش کرتے تھے۔ سوما کی قدر خصوصاً برہمنوں میں زیادہ تھی۔ زردشت کے پیروں نے تو اس اصول کو بالکل ترک کر دیا ہوا تھا۔ عروج حاصل کرنے سے پہلے فارسیوں نے مذہبی عقائد میں یہاں تک ترقی کی تھی جو ناظرین پڑھ چکے ہیں۔ مگر بعد ازاں بجائے اور ترقی کرنے کے یکا یک پیچھے ہٹنے لگے۔ مذہب زردشت میں بہت بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنے پیروں کے دلوں میں تثنیہ کا بیج بو دیا تھا جس کا ابتدا میں گو کوئی برا اثر پیدا نہ ہوا۔ مگر رفتہ رفتہ فارسی ایک اور خدا ماننے لگے۔ اہورمزدا تو نیکی کا خدا تھا ہی۔ اب بدی کا خدا بھی ایک ڈھونڈ نکالا اور اس طرح سے یکا یک زردشت کے ہر عیب عقائد کی طرح متوجہ ہوئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ زردشت نے تثنیہ کی صریحاً کبھی تعلیم نہیں دی اور نہ اس کی یہ مراد تھی کہ لوگ دو خداؤں کی پرستش کریں مگر زردشت کے وقت سے پہلے ہی فارسیوں میں بعض بدانجام عقائد موجود تھے جن کو بجائے تردید کے اس نے بحال رکھا غرض یہ کہ فارسی انگریومینوس کو ساری خرابیوں اور برائیوں کا موجد سمجھتے تھے۔ کبھی زمنہ بعد میں اسے دیو اور کبھی شاہ ظلمات کا خطاب دیتے تھے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ فارسیوں میں انگرومینوس کا خیال ہمیشہ شاعرانہ طریقے سے کیا جاتا تھا۔ اب بھی اگر کوئی برائی واقع ہو تو اسے چرخ گردوں یا زمانہ سے منسوب کرتے ہیں کسی نہ کسی کو برائی کا سزاوار ٹھہرانا بھی زمانہ قدیم سے ہے۔ افسوس ہے کہ شاعران ہند میں بھی یہ رسم بدتا حال باقی ہے کہ خود مرتکب گناہ ہونے کے الزام سے بری ہونے کے لئے آسمان اور خدا جانے کس کس کو طوق لعنت پہنائے لئے پھرتے ہیں۔

فارسیوں نے جونہی اس امر پر خیال کرنا شروع کیا کہ دنیا میں بھلائی کی نسبت برائی زیادہ ہے۔ جیسا سعدیؒ فرماتے ہیں:

ہرجا کہ گل است خار است
دہرجا ک گنج ست ماراست

یہ خیال فارسیوں کا ایسا بڑھا اور غور وفکر کرتے کرتے اس قدر دور نکل گئے کہ مجرم سینکڑوں میل پیچھے رہ گیا۔ حقیقت میں برائی قانون قدرت کو توڑنے کا نتیجہ ہے اور یوں جو ہم ان باتوں کا خیال کرنے لگیں کہ کانٹے جو ہمیں چبھتے ہیں اور سانپ جو ہمیں ڈستے ہیں۔ ان وزاوزا کی باتوں کا بھی کوئی نہایت طاقت ور موجد ہے۔ جو ہمارے ستانے کے لئے دن رات تجویزیں کررہا ہے تو کمال نادانی ہے۔

عمدہ چیزیں جنہیں ہم برا سمجھتے ہیں حکمت سے خالی نہیں ہیں۔ اگر ان چھوٹی چھوٹی مشکلات سے ہمارا ابتداہی سے پالا نہ پڑتا تو تہذیب میں کیا خاک ترقی کر سکتے۔ ابتدا میں جبکہ انسان قانون قدرت سے بالکل ناواقف تھا۔ صرف منطقہ حارہ ہی کے اردگرد رہنے کے قابل تھا۔ اگر وہاں کی مکلّف پیداوار سے محفوظ رہنے کی کوشش نہ کرتا تو کیونکر قطبین کی سردی سے بچنے کے لئے تدابیر کرنے کے لائق ہوتا۔ سانپوں سے تو بھاگ کر بھی جان بچا سکتے ہیں مگر شدت سرما سے بچنے کے لئے بہت اعلیٰ درجے کی عقل چاہیے۔ عقل انسانی کا پہلا درجہ یا بنا حفاظت ہے۔ جو رفتہ رفتہ اس درجہ تک پہنچ گئی ہے جسے آج ہم علم وتہذیب کہتے ہیں۔ اگر ہمارا آئے دن طرح طرح کی تکالیف سے مقابلہ نہ ہوتا۔ تو علم وتہذیب میں ایسی ترقی نہ کر سکتے۔ تکالیف سے محفوظ رہنے کے لئے قدرت نے حیوانات کو پر و بال اور دیگر اسلاح سے مہیا کر رکھا ہے۔ پس فرق بھی دونوں کی ترقیوں میں کس قدر ہے۔ جس ملک میں آرام وآسائش کم اور تکلیف زیادہ ہے۔ وہاں سے قومیں مہذب اور طاقتور ہو کر نکلتی ہیں اور سرسبز وشاداب ملکوں میں روبہ تنزل ہو جاتی ہیں۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ محنت ومشقت اور طرح طرح کی تکالیف جنہیں ہم برا سمجھتے ہیں ہماری ترقی کا ایک خاص ذریعہ ہیں۔

گو ہمیں اس بات کا ٹھیک پتہ معلوم نہیں۔ کہ تثنیہ کا عقیدہ قوم میدیا میں کب شروع ہوا ہے۔ مگر تاہم عروج کے وقت انہیں تثنیہ کا خیال پایۂ خیال کو پہنچ چکا تھا۔ کتاب ویندادکی پہلی فرگاد (یعنی فصل) جو آریہ کا تاریخی حصہ کتاب ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ قوم اس زمانے میں ملک میدیا میں نہیں پہنچی تھی۔ مگر تثنیہ کا خیال شروع تھا۔ انگرومینوس برائی کا خدا گنا جاتا تھا۔ اہورامزدا اور انگرومینوس کی باہمی عداوت کو بھی سب مانتے تھے۔ یعنی جب اہورامزدا کوئی اچھا کام بناتا ہے تو انگرومینوس اسے بگاڑنے کو کھڑا ہوتا ہے۔ مفلسی، جنگ، بیماریاں، بدعقیدی، زہریلے پودے اور

تمام طرح کے گناہ انگرومینوس ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔

اہورامزدا کے چھ مصاحبوں کو آشہ سپنتا کہتے تھے۔ جس کے معنی غیر فانی ولی کے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ بگڑ کر اشش پند ہو گیا۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

اہورامزدا کے چھ مصاحب

نمبر شمار	نام مصاحب	معنی	تفصیل
1	دوہومنو	نیک دل	یہ لفظ بعد میں بگڑ کر بہمن ہو گیا
2	آشادرہتہ	صادق یا صداقت	بگڑ کر اردی بہشت ہو گیا
3	شترآویریا	مقبوضات	بگڑ کر شہردار ہو گیا
4	سپنتا آرمتی	پاک زمین	بگڑ کر اسفند آرمت ہو گیا
5	ہورداتات	صحت	بگڑ کر خورداد ہو گیا
6	امرتیات	بقاء	بگڑ کر امردات ہو گیا

زبان فارسی میں اہورامزدا کے مصاحبوں کے نام مہینوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

انگرومینوس یعنی خدائے بدی کے بھی چھ ہی مصاحب ہیں۔ آکومنو (یعنی برادل) اندر (جس کے ہندو بھی معتقد تھے۔ مگر فارسیوں نے اسے ایک طاقتور دیو تصور کیا تھا۔ جو طوفان، جنگ اور رعد کا مختار ہے اور شہروں اور فصلوں کو تباہ کرتا ہے) سردا (ہندوؤں کے شو سے مشابہ ہے) نون ہتیا (وید کے قدیمی حصوں میں ہندوؤں نے اسے ناستیاس کہا ہے) تیرگی اور نہ ہر۔ ہندوؤں اور فارسیوں کے خداؤں کی مشابہت سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسیوں نے قدیمی آریہ خداؤں میں سے بعض برے برے خصائل والے منتخب کر کے انہیں انگرومینوس کا خواص بنا دیا ہے۔

اپنی اپنی کامیابی کے لئے دونوں خداؤں نے اپنے لشکر آراستہ کئے ہیں۔ اہورامزدا کے لشکر میں فرشتے اور انگرومینوس کے لشکر میں دیو مانے جاتے تھے۔ اہورامزدا کے لشکر کا سردار سروش نامی ایک فرشتہ ہے جو بنی نوع انسان کی حفاظت کے لئے دیو و جنات سے لڑتا رہتا ہے۔

سومایا ہوما کی رسومات نہایت عجیب تھیں۔ یعنی ایک پودے ہوما نامی کا رس نکال کر تھوڑی سی آگ پر پھینک دیتے تھے اور باقی بھجن گاتے گاتے چٹ کر جاتے تھے۔ اس رسم کو خدائے اہورامزدا کا پسندیدہ خیال کرتے تھے۔ یہ سراسر غلط ہے۔ کہ پیروان زردشت انسانی قربانی کو جائز

رکھتے تھے۔ بیش قیمت ہونے کی وجہ سے گھوڑوں کی قربانی کی بہت قدر تھی۔ بیل، بکری اور بھیڑ وغیرہ بھی صدقہ کے طور پر ذبح کئے جاتے تھے۔ پیروان زردشت روح کی بقا کو بھی مانتے تھے۔ ان کے عقیدہ کے بموجب بعداز مرگ نیک و بدلوگوں کی ارواح مل کر چنوات پر تو یعنی پل صراط کو جاتی ہیں۔ پل صراط ایک تنگ راستہ ہے جو جنت فردوس کو جاتا ہے۔ اچھے لوگوں کی روحوں کو اس پل سے گزرتے وقت سروش (ایک فرشتہ) ہر طرح کی مدد دیتا ہے۔ مگر بدکار لوگ گزرتے وقت نیچے ایک عمیق خندق میں گر پڑتے ہیں۔ جو ان کے لئے سزا کا مقام ہے۔ اس دنیا میں دوستوں اور رشتہ داروں کی دعائیں رفتگان کے لئے نہایت مفید ہیں اور انہیں اس دور دراز سفر میں مدد دیتی ہیں۔ جونہی کوئی صادق جنت کے قریب پہنچتا ہے بہمن فرشتہ تخت پر سے اٹھ کر تسلیم بجالاتا ہے اور کہتا ہے۔ ''تم کیا ہی خوش نصیب ہو کہ دنیائے فانی سے دار جاودانی کو آئے''۔ وہاں سے تین منزل آگے جنت ہے جہاں رفتہ رفتہ صالح آدمی پہنچ جاتا ہے۔ بدکار لوگوں کی روح جونہی خندق میں گرتی ہے اپنے تئیں تیرگی میں پاتی ہے۔ یہ انگریومینوس کا ملک ہے۔ وہاں کے لوگوں کی خوراک زہردار پودے ہیں اور وہاں سے کہیں جا نہیں سکتے۔ زمانۂ قدیم کے فارسی روز آخرت کو بھی مانتے تھے۔ یہ امر ژندآوست کے چند کلمات سے ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً دیدار کی آٹھویں فصل میں اس کا مذکور ہے۔

قدیم فارسیوں اور قوم مید کے زبان زد قصے

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ قوم مید نے سب سے پہلے مغربی ایشیا میں نسل آریہ کے وجود کا ثبوت دیا ہے۔ اس لئے ان کے ابتدائی زمانہ کے فسانوں کا جاننا نہایت دلچسپ اور ضروری ہے۔ کم و بیش ہر ایک قوم اور نسل اپنے ابتدائی حالات کا کچھ نہ کچھ حصہ قصوں کے طور پر ساتھ لائی ہے۔ اس لئے ان قصوں کا جاننا فائدہ سے خالی نہیں۔ ان میں مبالغہ کتنا ہی ہو۔ مگر پھر بھی بنا راستی پر ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ قدیمی زمانہ کے لوگ جھوٹ کے عادی نہ تھے۔ ان کے بیانات میں جو کچھ ہمیں ناممکن باتیں نظر آتی ہیں وہ صرف ان کے سادہ پن پر مبنی ہیں۔ پہلا فسانہ یما یا یماشیتا یعنی جمشید کی نسبت ہے۔ اور وہ یوں ہے کہ ایک زمانہ میں قوم مید کے آباؤ اجداد ایک نہایت خوبصورت ملک میں آباد تھے۔ جو آریہ وایو کے نام سے موسوم تھا۔ وہاں ایک نہایت خوش خلق بادشاہ کا راج تھا جسے جمشید کہتے تھے۔ دولت کی وہاں یہ حالت تھی کہ ہر ایک شے رزین نظر آتی

تھی۔ وہاں کے باشندے حسین، قدآور اور نیک مزاج تھے۔ الغرض تمام قوم آریہ وہاں اس لطف و آرام سے زندگی بسر کرتی تھی کہ حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ یکا یک انگرومینوس نے وہاں اس شدت سے سردی پھیلا دی کہ رہنا محال ہو گیا۔ جدھر دیکھیں برف ہی برف نظر آتی تھی۔ ہوا، زمین، مکان الغرض ہر ایک شے ایسی سرد ہو گئی کہ وہاں رہنا مہلک ہو گیا اور ناچار انہیں وہ ملک چھوڑنا پڑا۔

اب اس بات کا بھی خیال کرنا چاہیے کہ ہندوؤں کے وید میں بھی یما کا ذکر ہے جسے راجہ یما کہتے ہیں۔ اس کی تعریفیں وغیرہ سب جمشید سے مشابہ ہیں حتیٰ کہ اس کا پورا نام وید میں بھی یما کو شیتا ہے۔ جو قوم مید کے فسانہ کے نام سے بالکل مشابہ ہے۔ یما وید کے بموجب پہلا آدمی ہے جیسا کہ یما شیتا یا جمشید قوم مید یا فارسیوں کے قصہ کے بموجب سب ناموں سے پرانا ہے اور اس سے قدیم ترین اقوام میں اور کوئی نام موجود نہیں۔ ہاں فرق اس قدر ہے کہ فارسیوں کا جمشید دنیاوی بادشاہ ہے۔ مگر ہندوؤں کا بادشاہ آسمانی ہے جس کی خصوصیتوں اور خصائل کا بہت سا حصہ آدمؑ کی مانند ہے۔ اب چونکہ یہ داستان دو مختلف ملکوں کے آریاؤں میں یکساں پائی جاتی ہے اس لئے اسے بے غور و فکر کئے نظر انداز کرنا نہیں چاہیے۔

جمشید سے درجہ دوم پر فریدوں کی داستان ہے جسے کتاب ژند آوست میں پھر تھر تیونا کے نام سے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ وارنیا میں پیدا ہوا تھا۔ وارنیا سے غالباً مراد آذربائیجان ہو گی۔ اس کے باپ کا نام اژوا ایو تھا۔ فریدوں نے ایس دہاکے یعنی ضحاک نامی قوم ایرانی کے دشمن کو نابود کیا۔ اس کی شکل کی نسبت بہت سے ہولناک بیان ہیں یعنی اس کے تین منہ تین دم اور چھ آنکھیں تھیں۔

اب آؤ۔ وید کے نامی بادشاہ تر تیانا کے حالات کو دیکھیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جسے ایرانی تھر تیونا اور ہندو تر تیانا کہتے ہیں۔ ایک ہی شخص ہے تعریفیں بھی اس عادل اور طاقتور بادشاہ کی دونوں یکساں ہیں۔ پس اس قصہ کی بھی ضرور کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔

ایرانیوں اور ہندوؤں کی حکایات میں تیسرا مشہور آدمی وہ ہے جسے کتاب ژند آوست میں کرسپ کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کتاب کے بموجب یہ بادشاہ خاندان سام سے تھا۔ اس کے باپ کا نام ترتا اور اس کے بھائی کا نام ارواخ شیا تھا اور وہ شہر خوراسان میں پرورش ہوا تھا۔ وہ اقبال اور بلندی جو بادشاہ جمشید کو ملی تھی اس بادشاہ کے حصے میں آئی۔ یہ تمام طاقتوروں سے بڑھ کر تھا۔ کیونکہ ایک پری کنتھنی نامی اس کی حفاظت کرتی تھی۔ اس بادشاہ نے گندار وا اور سینو وہا کا قتل کیا۔ سینو وہا کا لاف زن تھا کہ وہ زمین کو پہیہ اور آسمان کو بہلی بنا دے گا۔ اور اہورامزدا کو جنت اور

انگرومینس کو دوزخ سے گرفتار کر کے اپنی گاڑی کے آگے گھوڑوں کی طرح لگائے گا۔ کرسپ کو ہندوؤں کے بھگت پران میں کرسو کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور وہ سام یا ما بادشاہ ویسالی کا بیٹا ہے۔ بہر حال یہ دونوں مشہور اشخاص بھی ایک ہی ہیں۔

یہ چند قصے ناظرین کی دلچسپی کے لئے تحریر کئے گئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ قصے اس زمانے کے ہیں جب ایرانی اور ہندو ایک ہی مقام پر رہتے تھے اور گویا کہ وہ مقام آریہ قوم کا قدیمی وطن تھا۔

فردوسی کی اکثر حکایات کتاب ژند آوست سے لی گئی ہیں۔ جنہیں اُس نے نہایت خوبصورتی اور کسی قدر شاعرانہ مبالغہ سے بیان کیا ہے۔ ہوشنگ، جمشید، ضحاک، فریدوں، کرسپ، کیکاؤس، کیخسرو سب ژند آوست سے نقل کی گئی ہے۔ مگر اہرمن، فرزندان فریدوں یعنی سلم، تور، ایرج اور دیگر اشخاص مثلاً زال، منوچہر، رستم، کیقباد، افراسیاب، سہراب اور اسفندیار کی حکایات معلوم نہیں کہ اس نے کہاں سے لی ہیں۔ غالباً لوگوں کے زبانی قصوں کو جمع کیا ہوگا۔ ہوشنگ اور کیخسرو جس کا ژند آوست میں ذکر ہے قریباً چودہ سو قبل مسیح تھے۔

جوں جوں قدیمی ایرانی یعنی قوم مید بڑھتے بڑھتے بحیرہ کسپین کے جنوبی اور مشرقی کناروں پر پھیلنے لگے۔ ان کا رابطہ اتحاد ان سیس قوام سے بڑھتا گیا جو آرمیا، آذربائیجان، کردستان، لورستان میں آباد تھے۔ ان قوموں کا مذہب اس زمانے میں ماگ یعنی مجوسی تھا۔ انہوں نے بلند پہاڑوں پر وسیع اور خوبصورت آتش کدے تعمیر کئے ہوئے تھے اور اس زمانے میں وہ آتش پرستان عالم کا مرکز تھے۔ مجوسی بھی اصل میں قدرت کے پرستار تھے۔ یعنی آگ، پانی، ہوا اور زمین کو پوجتے تھے۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانیوں نے قدرتی طاقتوں کیلئے علیحدہ علیحدہ خدا مقرر کیا ہوا تھا اور ابتدائی ہندو ہر ایک قدرتی طاقت ہی کو خدا سمجھتے تھے۔ مگر مجوسیوں کی پرستش ان سب سے الگ تھی۔ وہ ان قدرتی طاقتوں کو سامنے دھر کر پوجتے تھے۔ آگ کو سب سے اعلیٰ مانتے تھے اور مقدس آگ کا شعلہ ان کے مندروں میں کبھی بجھنے نہیں پاتا تھا۔ آگ پر نذرانہ چڑھاتے تھے۔ اور آگ کو ہر طرح کے صدقے میں سے حصہ دیتے تھے۔ آگ سے دوسرے درجے پر پانی گنا جاتا تھا۔ دریاؤں اور جھیلوں کے کنارے پر قربانی کو ذبح کرتے تھے اور اس طرح آب مقدس کا شکریہ ادا کر کے دل کو تسلی دیتے تھے۔ کسی ناپاک شے کو پانی میں ڈالنے کا حکم نہیں تھا۔ زمین کی بھی ویسی ہی عزت کرتے تھے۔ مردوں کو نہ جلاتے اور نہ دفن کرتے تھے۔ کیونکہ اس سے عناصر کی بے

ادلی ہوگی۔ مردوں کو بلند مکان پر جو چاروں طرف لوہے کی سلاخوں سے بلند ہوتا تھا، پھینک دیتے تھے۔ تاکہ چیلیں وغیرہ انہیں کھا جائیں۔ اس مذہب میں پروہتوں کو بہت اختیار اور رتبہ حاصل تھا کیونکہ ان کی موجودگی کے سوائے کسی مذہبی رسم کا بجالانا جائز نہیں تھا۔ پروہتوں کی اولاد بھی پروہت گنی جاتی تھی اور وہ اپنے تئیں مقدس اور ولی خیال کرتے تھے۔ خوابوں کی تعبیریں بتانا اور قرعہ پھینک کر فال نکالنا انہی کا کام تھا۔ مجوسی سفید کپڑے اور جھالر دار ٹوپیاں پہن کر آتش کدہ کو جاتے تھے اور وہاں قطاریں باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور طرح طرح کے منتر پڑھتے تھے۔ جس سے خواہ مخواہ تماشہ دیکھنے والوں پر بہت بڑا اثر ہوتا تھا۔ جونہی قوم مید کی مجوسیوں کے پاس آمد ورفت شروع ہوئی۔ اس عجیب وغریب مذہب کا ان پر بہت اثر ہونے لگا۔ ابتدا میں ایرانیوں کو دوسروں کا مذہب اختیار کرنا پسند نہیں تھا خصوصاً بت پرستی کی وجہ سے ہندوؤں کا مذہب تو انہیں بہت ناگوار تھا۔ اس لئے ظاہراً تو انہوں نے مجوسی کہلانا پسند نہ کیا مگر اس مذہب نے ان کے دل پر اتنا اثر کیا کہ انہوں نے مجوسی پروہتوں کو مذہبی رسومات بجالانے کے لئے مقرر کرلیا۔ گو اہورمزدا کی پرستش ان کے دل سے اتر نہیں سکتی تھی مگر انہوں نے مجوسیوں کے بہت سے عقائد سیکھ لئے۔ الغرض فارسیوں کے مذہب کا نام گو زردشت ہی رہا مگر اس وقت سے یہ مذہب عقائد میں بہت تبدیل ہوگیا۔ حتیٰ کہ فارسیوں کے مذہب زردشت اور مجوسیوں کے مذہب میں کچھ فرق نہ رہا۔ ہاں قدیمی ایرانی یعنی قوم مید نے مردوں کا جانوروں کے سامنے پھینکنا پسند نہ کیا اور چونکہ آگ، پانی اور زمین کی عزت بھی ان پر فرض تھی اس لئے انہوں نے ایک اور طریقہ نکالا۔ یعنی مردوں پر موم مل کر انہیں مٹی میں دفن کر دیتے تھے۔ مجوسی مقدس لکڑیوں کے ذریعے سے بھی فال نکالتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے شعبدہ بازوں کی رسم کا اس طریقے سے کوئی تعلق ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک چھوٹی سی چھڑی ہاتھ میں پکڑ کر اسے جادو کی چھڑی کہتے ہیں اور اس کے ذریعے سے کرامات ظاہر کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حسب مذہب زردشت فارسی ان جانوروں کو جنہیں وہ انگرہ مینوس کی پیدائش سمجھتے تھے، مار ڈالتے تھے۔ مثلاً سانپ، چوہا، نیولا، مینڈک وغیرہ۔ ان جانوروں کا مارنا مجوسیوں نے قوم مید سے سیکھا ہے۔

مجوسیوں کی ایک شرمناک رسم کا جائز ہونا تاریخ سے ثابت ہے یعنی وہ ایک دوسرے کی بیوی سے شادی کر سکتے تھے اور عموماً عورتوں کو نئی شادی کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ مذہب مجوسی کے اثر نے ایران میں بادشاہوں اور پروہتوں کی عزت کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ حتیٰ کہ انہیں لوگ

پیغمبروں سے بھی بڑھ کر ماننے لگے۔ چونکہ مذہب مجوسی کی رسومات میں شان وشوکت ہمیشہ مدنظر رہتی تھی اس لئے اس مذہب کے طفیل بادشاہوں کا عیش وعشرت اور لوگوں میں دکھاوے کی محبت بہت بڑھ گئی۔ حتیٰ کہ زوال کے وقت اس قوم میں ہندوستان کی طرح شادی بیاہ وغیرہ میں فضول خرچیاں اور طرح طرح کی تباہ کنندہ رسومات پھیل گئی تھیں۔

قوم مید کی زبان اور طرز تحریر

پیشتر لوگوں کا خیال تھا کہ مذہب زردشت اور مجوسی ایک ہیں اور چونکہ مذہب مجوسی ایران کے شمالی حصے میں پھیلا ہوا تھا اور وہاں کی زبان ژند تھی۔ اس لئے قوم مید کی زبان بھی ژند ہونی چاہیے۔ مگر حقیقت میں مذہب مجوسی اور زردشت بالکل مختلف ہیں اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ان دونوں مذہبوں کی مشابہت زمانۂ مابعد میں صرف اتفاقاً ہوئی ہے۔ زمانہ قدیم میں وسط ایشیا میں دو آریہ قومیں آباد تھیں۔ مشرقی حصہ جسے بکتریا (آج کل یہ نام بگڑ کر بلخ ہوگیا) کہتے تھے۔ وہاں کی زبان ژند تھی اور مغربی حصہ میں قوم مید آباد تھی جہاں ایک اور زبان بولی جاتی تھی۔ مگر چونکہ ان دونوں ملکوں کے باشندے آریہ نسل کے تھے اس لئے ان کی زبانوں میں کچھ بڑا فرق نہ تھا۔ قوم مید جو اس زمانے میں آریہ نسل کا سرتاج تھی۔ لگاتار ایرانی قوموں سے ملتی جلتی رہی اور اس کی زبان میں لگاتار تغیر واقع ہوتے رہے۔ جب آخر کار مید غلبہ میں آئے تو انہوں نے اپنے ماتحت دوسری آریہ قوموں کی زبانوں میں بھی فرق ڈالا۔ یعنی جو لفظ خود غیر قوموں سے سیکھے تھے انہیں بھی سکھائے۔ اس لئے رفتہ رفتہ زبان فارسی میں اس قدر تغیر واقع ہوگیا کہ اسے دوسری آریہ زبانوں سے تعلق کم ہے۔ خصوصاً یورپ کی زبانیں بہ نسبت ایرانی زبان کے سنسکرت سے زیادہ مشابہ ہیں۔ کلٹ جنہوں نے سب سے پہلے یورپ میں آبادی شروع کی اور لاطین جو بعد ازاں گئے قدیمی آریاؤں کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ مگر یہ ابتدائی آریہ کنبے بہت ادنیٰ درجے کے تھے۔ صرف آریہ نسل کی وہ قومیں جو بعد میں ظاہر ہوئی ہیں بہت مہذب ہونے کے قابل تھیں۔ مثلاً گوتھ جنہوں نے بعد میں یورپ میں بستیاں بسائی ہیں، تہذیب کے ہونہار پودے تھے۔ ایرانیوں کا بہت سا حصہ انہی سے منسوب ہے۔

مید لوگوں کے نام بالکل ایرانی طرز کے ہیں۔ مثلاً اریوبارزان، ارتبار، ہرپاگ وغیرہ۔ ایرانیوں سے مراد آریہ نسل کے وہ کنبے ہیں جو اس زمانے میں ضعیف اور جنوبی ایران میں آباد تھے مگر آخر کار طاقت ور ہو کر تمام ملک کے مالک ہوئے۔

مید کے بادشاہوں کے بعض نام سنسکرت اور بعض زبان لاطینی سے اخذ کئے گئے ہیں اور باقی قریباً سب کے سب زبان ژند سے لئے گئے ہیں۔

چند ناموں کی تشریح

ستخاک	یہ نام اصل میں اجس دہا کا تھا۔ زبان ژند میں اجس کے معنی سانپ اور دہا کا کے معنی کاٹنے والے کے ہیں (یعنی کاٹنے والا سانپ)
اُودکھیاترا	اُو = اچھا اور اُکھش = آنکھ (زبان ژند میں) (یعنی اچھی آنکھوں والا)
استیارس	زبان ژند میں استا کے معنی ہڈی اور بریزا کے معنی بڑا ہیں (یعنی بڑی ہڈیوں والا)
آرمامتھرا	زبان ژند میں میں آرمایارام کے معنی خوشی اور متھرا شائق کو کہتے ہیں (یعنی خوشی کا شائق)
سی متھرا	سی کے معنی خوبصورتی اور متھرا کے معنی شائق (ژند) (یعنی خوبصورتی کا شائق)
پارسوداس	پوردس کے معنی بہت دا کے معنی دینا (یعنی بہت دینا)

زبان مید کے چند اور الفاظ

لفظ	معنی یا تشریح
ستر	چھتر یا تاج
زان	مارنا
باغستان	ایک شہر کا نام ہے۔ باگا کے معنی خدا ستان کے معنی جگہ زبان ژند میں ہیں (یعنی خدا کی جگہ)
اسپدان	ایک شہر کا نام اسپ کے معنی گھوڑا اور دان لفظ ستان کا بگاڑ ہے (ژند) (گھوڑوں کی جگہ)
سپاکا	کتا
انگاری	نامہ بر

افسوس ہے کہ قوم مید نے روم کے باشندگان قدیم کی طرح اپنی قدیمی تہذیب کا کوئی نام و نشان نہیں چھوڑا۔ باوجود یہ کہ مید کا عروج اقوام روم سے ہزاروں سال بعد واقع ہوا ہے۔ قوم مید کے لوگ ابتدا میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور غالباً کتاب ژند آوست صرف نسلاً یاد کرائی جاتی ہوگی۔ اس قوم کو لکھنے پڑھنے کا خیال اس وقت آیا ہے۔ جب وہ آرمیلیا کے تورانی باشندوں سے ملنے لگی۔ مگر چونکہ انہیں وہ بہت طول وطویل طرز تحریر پسند نہ آیا۔ اس لئے انہوں نے اس قوم کی نقل نہ کی۔ بعد ازاں انہوں نے کردستان کے تورانیوں کو ایک سہل طریقے سے لکھتے دیکھا۔ مگر یہ بھی غالباً ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ آخر کار انہوں نے غور وفکر کر کے لکھنے کا ایک اور طریقہ اپنے استعمال کے لئے بنالیا۔ قوم مید بجائے کاغذ کے کپڑے کو استعمال کرتے تھے۔ ہر ایک بادشاہ کے وقت کے واقعات ایک منشی دربار میں لکھا کرتا تھا۔ اینٹیں جن پر بابلونی اور اسرین اپنے وقت کے مشہور حالات لکھتے رہے ہیں۔ اور جو نہایت پائیدار ثابت ہوتے ہیں قوم مید میں مستعمل نہ تھیں۔ بادشاہوں نے خانگی معاملات اکثر چمڑے پر بھی لکھے جاتے تھے۔

شاہان مید کا عہد حکومت

جس زمانے میں کتاب ژند آوست لکھی گئی ہے۔ مید ضعیف اور کم تعداد تھے۔ مگر رفتہ رفتہ شمار و تعداد میں بڑھ کر یہ قوم ایسی زبردست ہوگئی کہ آس پاس کی سلطنتوں سے ٹکرانے لگی۔ مؤرخین یورپ اس قوم کے وجود کو کوئی ایک ہزار قبل مسیح سے تصور کرتے ہیں۔ مگر قصداً ایسی غلطیاں کرنے سے ان کا ایک خاص منشاء ہے جو آئندہ ناظرین پر کھلے گا۔ قوم اسرین کے بعض کتبوں میں جو آٹھ سو پچاس قبل مسیح کے قریب لکھے گئے تھے۔ مید کا ذکر ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مید کو اس زمانے میں بھی کس قدر امتیاز حاصل ہوگا۔ گو شاہان نینوا کے سامنے وہ ہمیشہ دبے ہوئے رہے ہیں مگر پھر بھی وہ کثیر التعداد ہوں گے جو ان کا ضروری کتبوں میں ذکر ہے۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ قدیمی کتبہ متعلق قوم مید ہمیں اسرین کھنڈرات سے نہیں مل سکا۔ توریت جو پندرہ سو قبل مسیح لکھی گئی تھی۔ اولاد نوح میں قوم مید کا بھی ذکر کرتی ہے۔ پس یہ بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ پندرہ سو سے قبل بھی قوم مید گمنام نہ تھی۔ مزید برآں شاہان خالدین اپنی رعایا کو اربعلسان کہتے تھے اور زبان خالدی میں جو ان چار زبانوں سے مرکب ہے۔ ہم آریا زبان کا بھی اختلاط پاتے ہیں۔

اس لئے کیا آریہ اور کیا مید جو آریا نسل کی ایک شاخ ہیں۔ ہمارے موجودہ تاریخی زمانہ سے بہت
پرانے ہیں۔خالدین کے زمانہ سے لے کر اس زمانے تک جبکہ قوم مید اعلانیہ طور پر نسل آریا کو
مشتہر کرتی ہے۔ ہمیں برابر آریاؤں کا کھوج مل رہا ہے۔اس لئے آریاؤں کو ایک ایسی نئی قوم قرار
دینا جو کوئی ہزار دو ہزار سال قبل مسیح صفحۂ ہستی پر آئے ہیں۔ سراسر غلطی ہے۔ بیروسس مشہور مؤرخ تو
اس بات کا دعویٰ کرتا تھا کہ قوم مید نے دو ہزار سال قبل مسیح بابلون کو فتح کیا تھا مگر چونکہ بعض اور
مؤرخین اس فاتح قوم کو سوسانی بتاتے ہیں۔اس لئے ہم بیروسس کا یقین نہیں کر سکتے۔ہاں اتنا
نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اس خالدی مؤرخ کو کم سے کم آریاؤں کے اس زمانے میں کثیر التعداد ہونے
کا یقین تو ضرور ہوگا۔ جو اس نے ان کے اس کارنمایاں کرنے کا دعویٰ کر دیا۔

صد ہا سال کے امن کے بعد سارگون بادشاہ اسریا نے قوم مید کی آزادی کو چھیننا چاہا اور
710 قبل مسیح ایک بھاری فوج لے کر میدیا میں داخل ہو گیا اور بہت سے شہروں اور قلعوں کو اپنی
سلطنت کے ساتھ شامل کر کے باقی ملک کو باجگزار بنایا۔ مگر مید بجائے سیم و زر کے اس فاتح کو
گھوڑوں کی ایک مقررہ تعداد خراج میں دیتے تھے۔دیر تک اسرین بادشاہوں کے ماتحت رہ کر
632 قبل مسیح میں میدیا یکا یک طاقتور ہو گئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سیا کسارس بادشاہ میدیا نے آس
پاس کی آریہ قوموں کو اپنے ملک میں بسا کر اور ان سے معاہدہ کر کے سیس قوموں کو فتح کرنا شروع
کر دیا اور اس طرح سے آناً فاناً میں اپنی طاقت کو بڑھا کر ایک فوج گراں جمع کی۔اور شہر نینوا یعنی
پایۂ تخت ملک اسریا کی طرف روانہ ہوا۔آشور بانی پال یعنی بادشاہ اسریا لمبی تانے سو رہا تھا کہ
یکا یک افواج مید کے پہنچنے کی خبر ملی۔بادشاہ نے فوراً چوکنا ہو کر فوج کو جمع کیا اور خود سپہ سالار ہو کر
مقابلہ کو بڑھا۔مقام ادیابین کے قریب ایک جنگ عظیم ہوئی۔جس میں فوج مید کو شکست فاش
ہوئی اور سیا کسارس کا باپ بھی راہی ملک عدم ہوا۔گو بادشاہ میدیا کو اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگانے
سے زک ہوئی۔مگر فنون جنگ کا اسے ایک قیمتی سبق ملا اور اب وہ اپنی فوج کو قواعد وغیرہ سکھانے
میں مصروف ہوا۔اقوام سیس میں سے سپاہیوں کو جمع کر کے اور اپنی فوج میں داخل کر کے اس نے
اپنی طاقت کو بدرجہا بڑھا لیا اور بار دیگر اسریا پر حملہ آور ہوا۔اور اس دفعہ اشور بانی پال کو شکست
دے کر شہر نینوا کی طرف بھگا دیا مگر سیا کسارس کو باوجود بہت سی کوشش کے شہر نینوا کے فتح کرنے
میں کامیابی نہ ہوئی۔

قوم سیس جسے یورپین سیتھ، فارسی ساکا، بابلونی یا اسرین کمری اور زبان ژند میں توریا کہتے

ہیں۔ ملک میدیا کے اردگرد آباد تھی اور جب کبھی موقع ملتا تھا، لوٹ مار کے لئے ملک میں گھس جاتے تھے۔ جونہی انہوں نے سنا کہ سیاکسارس اسریا سے لڑ رہا ہے انہوں نے فوراً میدیا کو لوٹنے کا ارادہ کیا اور بہ عجلت روانہ ہوئے۔ ادھر سیاکسارس کو جب یہ خبر وحشت اثر پہنچی۔ تو ناچار شہر نینوا کا محاصرہ ترک کر کے اپنے ملک کی حفاظت کرنے دوڑا سیس بھی طاقت میں کم نہ تھے اور فنون جنگ سے بھی بالکل ناواقف نہ تھے۔ انہوں نے سیاکسارس کو جو پہلے ہی لڑ لڑا کر تھک چکا تھا شکست فاش دی۔ حتیٰ کہ سیاکسارس کو ان کا باجگزار بننا پڑا۔

طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی

ازاں خسیت مرطاھاں راہی

سیس بھی حکمرانی میں یگانہ تھے۔ مقررہ خراج پر راضی نہیں ہوتے تھے اور ہمیشہ مغلوبوں سے مطالبہ کر کے زیادہ وصول کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ قوم سیس نے میسوپوٹیمیا، مصر اور اسریا کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ جس کا حال ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ ان کے چلے جانے کے بعد ملک میں صرف لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ سالہا سال کی لڑائیوں نے قوم سیس کے بھی انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔ ادھر میدا انتقام کے لئے دانت پیستے تھے اور شب و روز تیاریاں کر رہے تھے۔ عین ایسے موقع پر جبکہ سیس بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ سیاکسارس نے سرداران قوم سیس کی دعوت دی اور سب کو شراب سے مدہوش کر کے قتل کر دیا۔ اس دغابازی کے بعد میدا اور سیس کے درمیان خونریز لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ جو سالہا سال تک جاری رہیں۔ اس زمانے کے مشہور اور عجیب واقعات میں ملکہ زرینہ کا قصہ ہے۔ یہ عورت خوبصورتی میں شہرۂ آفاق تھی اور قوم سیس پر حکمران تھی۔ اس کے متعلق ایک عشق کی کہانی مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ زرینہ بادشاہ سیس مسمے مارماروس کی بیوی تھی اور لڑائیوں میں ہمیشہ اپنے خاوند کے ہمراہ رہتی تھی۔ ایک موقع پر یہ حسین ملکہ زخمی ہو کر ستریانگوس بادشاہ میدیا کے داماد کے ہاتھ قید ہوئی۔ مگر اس نے کچھ ایسی چالاکی سے رہائی کی استدعا کی کہ اس نے اسے رہا کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہی ستریانگوس زرینہ کے خاوند کے ہاتھ گرفتار ہوا۔ زرینہ نے اپنے خاوند سے استدعا کی کہ اسے رہا کر دے۔ مگر اس نے منظور نہ کیا۔ اس پر زرینہ نے اپنے خاوند کو قتل کر دیا اور ستریانگوس سے محبت کرنے لگی۔ آخر کار جب ستریانگوس زرینہ کے دربار میں ملاقات کے لئے آیا تو زرینہ نے اس سے نفرت ظاہر کی اور کہا تمہاری بیوی مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ پھر کاہے کو اسے چھوڑتے ہو۔ اس بات سے ستریانگوس نے دل شکستہ ہو کر خودکشی کر لی۔

سیاکسارس کو سیس کی کمزوری نے آخر میں بہت فائدہ پہنچایا۔کیونکہ اب وہ اسے تنگ کرنے کے قابل نہ تھے اور اسریا بھی سیس کی حملہ آوری کے سبب حالت نزع میں تھا۔اس نے شکستہ حال قوم خالدین اور سوسانی سے اتحاد کر کے اسریا پر بار سوم حملہ آوری کی۔بادشاہ اسریا کو بھی اس معاملے کی خبر لگی اس نے فوراً آدھی فوج اپنے سپہ سالار بنوپلاسر کے حوالے کی۔مگر اس نمک حرام نے عین وقت پر بے وفائی کی اور الٹا اسریا کے مقابلے پر آ کھڑا ہوا۔اسریا کو اب مید،عرب، فارسی اور بابلونی افواج سے لڑنا پڑا۔بادشاہ اسریا نے داد مردانگی دی اور فوج قلیل سے اس زبردست دشمن کو شکست دے کر پیچھے ہٹایا۔مگر رات کے وقت دشمن نے شب خون مار کر اسرین فوج کو بالکل ضعیف کر دیا۔چنانچہ انہیں شہر نینوا کی طرف بھاگتے ہی بن پڑی اور دو اور لڑائیوں میں قوم مید شہر نینوا پر قابض ہو گئی۔چنانچہ حضرت یونسؑ کی وہ پیشن گوئی جو سالہا سال پہلے کی گئی تھی ظہور میں آئی۔جس وقت حاکمان وقت نے حضرت یونسؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو ہم یوں شہر کی حفاظت کریں گے۔تو انہوں نے یہ جواب دیا۔"دریاؤں کے دروازے کھلے ہیں اور محل تحلیل ہونے کو ہے"۔حقیقت میں شہر کی تباہی کے وقت یوں ہی ہوا۔کہ شہر نینوا کے شمال مغرب کو جہاں دریائے خسرو کا پانی آ آ کر فصیل شہر کے باہر خندق میں گرتا تھا۔ یکا یک طغیانی سے شہر کی تباہی کا باعث ہوا۔محل شاہی بھی جو وہاں سے قریب تھا زمین کا پیوند ہوا۔ غرض کہ حضرت یونسؑ کی پیشن گوئی کے بموجب دریاؤں ہی نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور خوبصورت اور وسیع شہر کی فصیل جو قوی سے قوی دشمن کو روکنے کا دعویٰ کرتی تھی۔آخری وقت بیوفائی کر گئی۔اسریا ایسی عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافہ فتح ہو جانے کے بعد فاتحوں نے آپس میں ملک کو یوں تقسیم کیا۔بادشاہ سیاکسارس نے اسریا اور ان باجگزار ریاستوں کو جو شمال اور شمال مغرب میں واقع تھیں اپنے قبضے میں لے لیا اور بنوپلاسر کمبخت دھوکا باز کو خالدی، بابلون،سوسان اور دریائے فرات کی وادی حوالے کر دی۔الغرض سلطنت اسریا دو عظیم الشان حصوں پر تقسیم ہوئی۔ مشرقی حصے نے ملک میدیا کے ساتھ مل کر اس کی وسعت کو صحرائے ایران سے لے کر منبع دریائے فرات تک بڑھا دیا اور دوسرا حصہ بابلون کہلانے لگا۔جولورستان سے لے کر حدود مصر تک پھیلتا تھا۔دنیا میں ایسی نظیریں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں کہ دو ہم عصر سلطنتیں جو پہلو بہ پہلو واقع ہوں۔ ایک دوسری کی حاسد یا رشک ہوں مگر سیاکسارس اور بنوپلاسر عمر بھر ایک دوسرے کے حامی اور مددگار رہے اور ان کی دوستی میں کبھی فرق نہ آیا۔بابلون اور میدیا کی یہ عجیب و غریب دوستی پانچ سو

سال تک قائم رہی۔ سیا کسارس عمر بھر لڑائیوں میں مصروف رہا۔ اور رفتہ رفتہ اس نے آرمینیا اور کاپادوشیا فتح کر لیا اور ہیروڈوٹس کے بیان کے بموجب اس کا ملک کوہ قاف اور بحیرہ اسود تک پھیل گیا۔ مگر یہ فتوحات کچھ اس بادشاہ کے علم حرب پر منحصر نہ تھیں۔ کیونکہ بہت سی ریاستوں نے قوم سیس کے حملوں سے تنگ آ کر سیا کسارس کی اطاعت قبول کر لی۔ میدیا کے شمال مغرب میں ایک ملک واقع تھا۔ جسے اس زمانے میں لیدیا کہتے تھے۔ اس ملک نے تہذیب میں ایسی ترقی کی اور زراعت اور معدنیات کی کثرت سے ایسا مالدار ہو گیا کہ اپنے ہم عصروں کے پہلو میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا۔ لیدیا نے دیر تک یونان اور گرد و نواح کے ملکوں پر حملہ آوری جاری رکھی اور بعض بعض فتوحات بھی حاصل کیں۔ جس زمانے میں بادشاہ سیا کسارس آرمینیا کو فتح کر کے ملک کا ملاحظہ کر رہا تھا۔ یکا یک اسے سرحد پر ایک سرسبز و شاداب زمین نظر آئی۔ اس نے ہمراہیوں سے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ یہ ملک لیدیا کے قبضے میں ہے اور اس ملک کی دولت اور شان و شوکت کی اس قدر تعریف کی کہ بادشاہ کا دل للچا آیا اور حملہ آور ہونے کے لئے بہانہ تلاش کرنے لگا۔ آخر کار سیا کسارس نے تدبیر سوچ کر سیس قوم کے چند لوگوں کو ملک لیدیا کی طرف بھگا دیا اور بعد ازاں الیاتس وہاں کے بادشاہ کو ایک سفیر روانہ کیا۔ کہ ان فراری باشندوں کو واپس بھیج دو، ورنہ جنگ ہو گی۔ الیاتس ایسی باتوں سے کب ڈرنے والا تھا۔ ادھر بادشاہ سیا کسارس تو پہلے ہی تیار تھا۔ فوج گراں لے کر فوراً ملک لیدیا کی طرف روانہ ہوا۔ آس پاس کے شاہزادے گو ہمیشہ لیدیا کے حاسد رہے تھے مگر انہیں سیا کسارس کی فتوحات بھی شاق تھیں۔ انہوں نے فوراً لیدیا کی حمایت پر کمر باندھی اور بادشاہ سیا کسارس کو شکست دے کر واپس کیا۔ اس واقعے سے سیا کسارس کے دل میں آتش غیظ بھڑکنے لگی۔ اس نے ملک میں جا کر از سر نو تیاری شروع کی اور بادشاہ بنوپلسر سے امداد مانگی۔ اس طرح فوج بے شمار کو لے کر از سر نو حملہ آور ہوا۔ مگر لیدیا نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ سیا کسارس کو کوئی کامیابی نہ ہوئی اور چھ سال تک لڑائی جاری رہی۔

ایک دن جبکہ دونوں فوجیں میدان جنگ میں نہایت جانثاری اور بہادری سے لڑ رہی تھیں یکا یک دنیا تیرہ و تاریک ہو گئی۔ جونہی اندھیرا ختم ہوا۔ دونوں فوجوں کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے۔ اس عجیب و غریب واقعے نے ایسا اثر کیا تھا کہ دونوں فوجوں میں صلح ہو گئی اور اس خونریز لڑائی کا ایسی سہولت سے خاتمہ ہوا۔ یہ تیرگی جس نے ایسا تغیر واقعہ کیا سورج گرہن کی وجہ سے ہوئی تھی مگر چونکہ اس زمانے کے لوگ ہر ایک عجیب و غریب شے سے متاثر ہو جاتے تھے اس لئے انہوں نے

خوفزدہ ہوکر جھٹ پٹ صلح کرلی۔ الیاتس بادشاہ لیدیا نے اپنی بیٹی کی شادی سیاکسارس کے بیٹے سے کردی اور اس زمانے سے لیدیا، میدیا اور بابلون تینوں سلطنتیں ایک دوسرے کے دوست اور رشتہ دار ہو گئے۔ اس زمانے کی جاہلانہ رسومات کے بموجب تینوں بادشاہوں نے ایک دوسرے کا خون چکھا اور قسم کھائی کہ آئندہ کے لئے وہ سب وفادار ہیں گے۔ 610 قبل مسیح یعنی صلح کے وقت سے لے کر پچاس تک یہ تینوں سلطنتیں جو اس وقت تمام مغربی ایشیا پر حکمران تھیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے برتاؤ کرتی رہیں کہ یکا یک مصر نے اس امن میں فتور ڈالا۔ مصر اس زمانے میں آزاد ہو چکا تھا اور وہاں کے بادشاہ ساماتک ان املاک کو فتح کرنے کی فکر میں تھا جن پر مصری ہمیشہ سے حق ثابت کررہے ہیں۔ الغرض 608 قبل مسیح نیکو ابن ساماتک اول نے تخت نشین ہوکر ارض فلسطین پر حملہ کر دیا اور جوشیا بادشاہ یہودیہ کو شکست دے کر دریائے فرات کی طرف قدم بڑھایا۔ ایدومیا، فلسطین، فنشیا اور اسریا نے نیکو کی اطاعت قبول کرلی اور تین سال تک مصری بے روک ٹوک ان ملکوں پر قابض رہے۔ مگر آخر کار بادشاہ ہنوچد نذر نے جو بوقت تقسیم ان ملکوں کو واپس لے لیا بلکہ مصر کا بھی تھوڑا سا حصہ فتح کرلیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی میں بادشاہ میدیا نے شاہ بابلون کی مدد کی تھی۔ سات آٹھ سال کے بعد مصر نے پھر سازشیں کرنی شروع کیں اور جھویا کم شاہ یہودیہ کو اعلانیہ بغاوت اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ مگر ہنوچد نذر نے قوم مید کی مدد سے پھر وہاں اپنا تسلط بٹھالیا۔ اس جنگ میں مدد دینے کے بعد بادشاہ میدیا نے 593 قبل مسیح قضا کی اور اس کا بیٹا استیاگس جانشین ہوا۔

سیاکسارس نہایت حریص اور جفاکش بادشاہ تھا اور اپنا ارادہ حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ دوستوں سے وفاداری اور دشمنوں سے دغا بازی روا رکھتا تھا۔ گو اس بادشاہ نے اپنے ملک کو بڑھانے اور مذہب مجوسی کے پھیلانے میں کتنی ہی کامیابی حاصل کی ہے مگر اس نے تہذیب کی ترقی میں کوئی کوشش مطلق ظاہر نہیں کی اور جس وسیع سلطنت کی اس نے بنیاد ڈالی تھی وہ ایک مختصر زمانے میں مسمار ہوگئی۔

استیاگس ہر ایک بات میں اپنے باپ کے برعکس تھا۔ شب و روز عیش و عشرت کے سوائے اسے اور کچھ بھی نہیں سوجھتا تھا اور ہمیشہ خلوت نشین رہتا تھا۔ امراء اور وزراء بھی بادشاہ ہی کے پیرو تھے۔ سرخ یا زرد پوشاک پہنے اور گلے میں طوق زریں لٹکائے حرم سرؤں میں دندناتے نظر آتے۔ گھوڑوں کا ساز تک سونے کا ہوتا تھا۔ دربار شاہی میں علاوہ سینکڑوں خدام کے ایک قاصد ایک

ساقی اور ایک خواجہ سرا ہر وقت موجود رہتا تھا اور مصاحبین میں جو سب سے اعلیٰ ہوتا تھا اسے چشم بادشاہ کا خطاب دیا جاتا تھا۔ مجوسی پروہتوں کا خصوصاً دربار شاہی میں بہت بڑا اقتدار تھا۔ جو خوابوں کی تعبیریں بتاتے، فالیں نکالتے اور ہر طرح کے امور میں مشورے دینے کو تیار نظر آتے تھے۔ بادشاہ نے ایک خاص شکار گاہ بنوائی ہوئی تھی جسے فردوس کہتے تھے۔ طرح طرح کے جنگلی جانور حسب الحکم بادشاہ وہاں مہیا کئے جاتے تھے۔ استیاگس کی جوانی تو چین سے گزری مگر بڑھاپے میں اسے ملک شر و فساد سے پُر نظر آیا۔ جابجا جنگ و جدال کا اندیشہ تھا۔ مگر استیاگس نے روپیہ کے زور اور مکر و فریب سے بجائے نقصان کے فائدہ اٹھایا۔ اس حصے میں جسے آج کل گیلان کہتے ہیں۔ ایک آریہ قوم قدوسی نامی آباد تھی اور گردونواح کی زبردست سلطنتوں سے آزاد تھی۔ وہاں کا سردار اپنی رعایا سے کسی قدر بدگمان تھا اس لئے اس نے اپنے لئے مددگار بنانے کے لئے استیاگس کی اطاعت قبول کر لی۔

بادشاہ استیاگس لاولد مرا۔ گو اس نے پہلی شادی کے بعد تین دفعہ اور شادی کی مگر بدقسمتی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

فردوسی لکھتا ہے کہ اسکندر دراب کا بیٹا تھا اور داراب نے فیلقوس کی بیٹی سے شادی کی تھی اور یونانی مؤرخین بھی طرح طرح کی گپیں ہانکتے ہیں۔ مگر حقیقت میں کسی کے پاس بھی اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ استیاگس کی کوئی اولاد تھی۔ علاوہ ازیں ایام قدیم میں یہ ہمیشہ قاعدہ رہا ہے کہ جب کوئی پرانا خاندان فنا ہو جاتا ہے اور نیا خاندان حکمران آتا ہے تو لوگ نئے خاندان کی عزت اور حقداری کے بڑھانے کے لئے کسی نہ کسی طرح سے اسے پرانے خاندان کا رشتہ دار ثابت کرتے ہیں۔ استیاگس کوئی ستر سال کا تھا کہ معاملات نے یکا یک ایک عجیب پلٹا کھایا۔ ملک فارس جو میدیا کے عروج کے وقت دب گیا تھا اور سیاکسارس کی اطاعت بھی انہوں نے قبول کر لی تھی۔ مگر اس کے بیٹے کی امن پرستی نے انہیں طاقتور ہونے کا موقع دیا۔ اس وقت فارس میں بادشاہ سارس ابن سترب حکمران تھا۔ اس زمانے کی رسومات کے بموجب سارس کو بوجہ خراجگزار ہونے کے اکثر استیاگس کے دربار میں حاضر رہنا پڑتا تھا۔ سارس جو زردشت کا معتقد تھا۔ قوم مید کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا کیونکہ انہوں نے باوجود زردشتی ہونے کے مذہب مجوسی اختیار کر لیا تھا۔ سارس کو دل میں مذہبی جوش اس درجے کو تھا کہ وہ شب و روز اس خیال میں تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے قوم مید میں مذہب زردشت غالب ہو۔ بادشاہ کے ضعف سے تو اسے پوری آگاہی تھی

کیونکہ استیاگس کو دن رات کنیزوں اور طوائف کی صحبت کے سوائے اور کچھ پسند نہ تھا۔ باپ کی بیماری کا بہانہ کر کے یکا یک سارس رخصت کا طلب گار ہوا۔ گو ابتدا میں بادشاہ کو گوارا نہ ہوا مگر انجام کار اس نے پانچ مہینے کی رخصت دے دی۔ سارس کے چلے جانے سے دوسرے روز استیاگس اپنے محل میں مزے اڑا رہا تھا، شراب کا دور چل رہا تھا اور محفل رقص و سرور شروع ہونے کو تھی۔ جونہی حسب ایماء شاہ کنجنی کھڑی ہوئی اس نے یوں گانا شروع کیا۔

شیر کی خدمت میں تھا خنزیر ایک　　چل دیا خنزیر گھر اپنے ولیک
وہاں کرے گا وہ تیاری جنگ کی　　شیر پر ڈالے دے گا وہ مشکل بڑی

اس سے کچھ تھوڑا عرصہ پہلے خالدی پروہت نے پیشن گوئی کی تھی کہ بادشاہ مید کے ہاتھ سے ملک جاتا رہے گا۔ اب اس گیت کو سننے سے اسے یہ راز سربستہ ظاہر ہوا۔ کیونکہ اس خالدی پروہت نے یہ بھی کہا تھا کہ ان سب ملکوں پر سارس کا راج ہوگا۔ استیاگس نے فوراً ایک افسر کو حکم دیا کہ سواروں کو ہمراہ لے کر سارس کا تعاقب کرے اور فارس کے شہزادہ کو زندہ یا مردہ واپس لے کر آئے۔ سوار اس سرعت سے گئے کہ انہوں نے سارس کو حدود ملک سے باہر نکلنے کے پہلے ہی پالیا اور اسے فرمان شاہ سنایا۔ سارس نے بڑی ملائمت سے جواب دیا کہ میں واپس جانے کے لئے بجان و دل حاضر ہوں۔ چونکہ رات تاریک تھی اس لئے انہوں نے دربار شاہی کو روانہ ہونا صبح پر ملتوی کر دیا۔ سارس نے کچھ ایسی چالاکی سے انہیں شراب پلا پلا کر مدہوش کر دیا کہ ان کے ہوش میں آنے سے پہلے سارس منزل مقصود کے قریب پہنچ چکا ہوا تھا۔ ایک دستہ فوج جو سارس کے باپ نے استقبال کے لئے روانہ کیا ہوا تھا، سرحد پر موجود تھا۔ سارس انہیں ساتھ لے کر اپنے متعاقبوں کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر سواران مید جب خوب استراحت سے جاگے تو شہزادہ کو غائب پا کر تلاش میں روانہ ہوئے۔ سارس نے ان سواروں کو شکست فاش دے کر بھگا دیا اور خود باپ کی خدمت میں روانہ ہوا۔

جونہی بادشاہ استیاگس کو اس واقعے کی خبر ملی اس نے دست تاسف زانو پر مار کر کہا ''او بے عقل! کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ دغا بازوں پر مہربانی کرنے کا صلہ کیا ملتا ہے۔ نرم اور ملائم الفاظ کے پھندے میں پھنس کر تو نے اپنے تئیں اس بلا میں مبتلا کر لیا۔ مگر خیر اب بھی وہ خالی جانے نہیں پائے گا''

خیال زلف بتاں میں نصیر پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

فوج گراں جمع کی گئی اور سارس کی گوشمالی کے لئے طرح طرح کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سرحد سارس سے اترتے ہی جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ پہلے دن تو کچھ فیصلہ نہ ہوا مگر دوسرے روز فارسی جو تعداد میں نسبتاً بہت ہی تھوڑے تھے۔ شکست کھا کر پیچھے کو ہٹنے لگے۔ تاکہ مقام پسارگادی دارالخلافہ ملک کو محفوظ رکھیں۔ استیاگس لڑتا لڑتا دارالخلافہ کی طرف بڑھا۔ فارسی تاب مقاومت نہ لا کر ایک پہاڑی پر محصور ہوئے۔ سپاہ میدیہ نے تین دن کی لڑائی میں وہاں بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ استیاگس حکم دے دیا تھا کہ اگر کوئی سپاہی پیچھے ہٹنے یا مقبوضہ پہاڑی پر سے اترنے کی کوشش کرے تو اس کا فوراً ہی سر قلم کیا جائے۔ فارسی شکست کھا کر پہاڑی سے اترنے ہی کو تھے کہ ان کے عیال و اطفال نے جو وہاں پناہ گزیں تھے اور کوئی آن میں دشمن کے ہاتھ قید ہو جاتے۔ بیتاب ہو کر رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اس دل سوز منظر کو دیکھ کر فارسیوں کا دل بھر آیا۔ دیوانہ وار دشمنوں کی صف میں جا گھسے اور وہ جوہر مردانگی دکھائے کہ ایک ہی حملہ میں ساٹھ ہزار کو تہ تیغ کیا۔ اس پر بھی استیاگس نے ہار نہ مانی اور دارالخلافہ کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر پانچویں حملے میں سارس نے اسے ایسی شکست دی کہ بادشاہ میدیا کو ناچار بھاگتے ہی بن پڑی۔ اب اگر استیاگس اکباتانہ یعنی دارالخلافہ تک پہنچ جاتا تو فوج جمع کر کے پھر لڑنے آتا۔ مگر سارس نے سوار بھیج کر اسے پکڑ وا منگایا۔ اور شاہی خیموں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اگر استیاگس کا کوئی ولی عہد ہوتا تو لڑائی جاری رہتی۔ لیدیا بھی بعید ہونے کی وجہ سے اس کی مدد کرنے کے قابل نہیں تھا۔ بابلوں میں خود ہی خانہ جنگیاں ہو رہی تھیں۔ مزید برآں قوم میدا اور فارسیوں کے مذہب میں بھی کچھ بہت بڑا فرق نہیں۔ برائے نام زردشت کے پیرو دونوں کہلاتے ہی تھے۔ الغرض موجودہ حالت میں سارس کو دونوں ملکوں نے بخوشی اپنا بادشاہ منظور کر لیا۔ ملک میدیا جو رقبے میں 5 لاکھ مربع میل کے قریب تھا سارس کے ہاتھ لگتے ہی اس کی طاقت بڑھ گئی۔

ملک میدیا کا زوال صرف بدانتظامی کے باعث ہوا۔ تمام مقبوضہ ریاستوں کے الگ الگ بادشاہ تھے۔ جو حسب خواہش اپنے ملک کا انتظام کرتے تھے۔ بادشاہ میدیا کی غرض صرف خراج سے ہوا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ فوج کی حالت بگڑتی گئی اور ملک کے رعب و داب میں بھی فرق آنے لگا۔ ابتدائی فتوحات نے قوم میدیا کو مغرور اور امن پرست بنا دیا۔ سارس کا بادشاہ کی صحبت میں رہنا بھی بہت مضر تھا کیونکہ اسے سلطنت کی اندرونی خرابیوں سے واقفیت ہوگئی۔ الغرض استیاگس کی غفلت اور کمزوری نے سارس کو زبردست ہونے کا موقع دیا۔

ناظرین کی دلچسپی کے لئے کتاب زردشت کی چند سطور کا ترجمہ ہدیہ نذر کیا جاتا ہے:۔

باب دیندار کا پہلا مزگاد

1۔ اہورامزدا نے مقدس زردشت کو کہا کہ اے پاک زردشت میں نے ہی بنجر زمین کو سرسبز و شاداب کیا ہے۔ کیونکہ اے مقدس زردشت اگر میں غیر آباد زمین کو قابل آبادی نہ کرتا تو آریانموا ایو کے بعد تمام جاندار مرجاتے۔

2۔ میں نے ایک خوبصورت ملک بنایا۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوئی کیونکہ وہاں جانداروں کے لئے بہت بڑی تباہی ہے۔

3۔ میں جو کہ اہورامزدا ہوں۔ وہ ملک میں نے سب سے اعلیٰ بنایا۔ آریانم وایو تھا۔ مگر انگرومینوس نے جو کہ ظالم اور جفا کار ہے، دیوؤں کی مدد سے ایک قوی سانپ اور برف کو بنایا۔

4۔ وہاں دس مہینے سردی اور دو مہینے گرمی ہوتی ہے۔ سردی پانی، سردی زمین اور سردی درختوں میں ہے۔ وہاں موسم سرما کے وسط میں چاروں طرف عمیق برف پڑتی ہے اور وہاں بڑی سخت وبا ہے۔

5۔ میں نے جو کہ اہورامزدا ہوں۔ باردوم جو اعلیٰ ترین ملک بنایا۔ وہ گوا تھا جس میں سگھدہ واقع ہے۔ وہیں انگرومینوس نے جو کہ ظالم اور ہلاک کنندہ ہے، وبا کو پیدا کیا۔ جو پیر و جوان اور مویشی کے لئے قاتل ہے۔

6۔ تیسرا اعلیٰ درجے کا ملک جو کہ میں نے جو کہ اہورا مزدا ہوں بنایا۔ مضبوط اور پاک موزو ہے۔ وہیں انگرومینوس نے اس کے برخلاف تاخت تاراج اور جنگ کو پیدا کر دیا۔

7۔ چوتھا اعلیٰ درجہ کا ملک جو میں نے جو کہ اہورامزدا ہوں بنایا۔ بلند جھنڈوں والا ملک بخدی تھا۔ وہاں انگرومینوس نے جو کہ موذی اور قہار ہے۔ کیڑے مکوڑے اور زہریلے پودے پیدا کئے۔

8۔ پانچواں عمدہ ملک جو میں نے جو کہ اہورامزدا ہوں بنایا۔ فسائی (خورد اور بخدی کے درمیان) تھا۔ جہاں انگرومینوس نے بدعقیدتی کی لعنت پیدا کی۔

9۔ چھٹا عمدہ ملک جو میں نے جو کہ اہورامزدا ہوں بنایا۔ ہارویو یعنی جزیرہ تھا وہیں انگرومینوس نے جو کہ مہلک اور تباہ کنندہ ہے اس کے برخلاف ژالہ باری اور افلاس کو پیدا کیا۔

10۔ ساتواں عمدہ ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے پیدا کیا۔ ویکات تھا۔ جس میں دزہا کا واقع ہے۔ وہاں انگرومینوس نے جو کہ ظالم ہے خرابی کیلئے پری کھناتھیتی اور کرشاسپ کو پیدا کیا۔

11۔ آٹھواں عمدہ ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے پیدا کیا۔ اُروا تھا۔ جس میں بہت سے دریا تھے۔ مگر اس کے برخلاف انگرومینوس نے تباہی کو پیدا کیا۔

12۔ نواں اعلیٰ درجے کا ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے پیدا کیا۔ کھنتیا جس میں کہ ہرکانا ہے، تھا۔ وہاں انگرومینوس نے عصیان بد کو پیدا کیا۔

13۔ دسواں عمدہ ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے بنایا۔ ہارکیتی تھا۔ تسپر انگرومینوس یعنی ہلاک کنندہ نے مردوں کو بحال رکھنے کا گناہ پیدا کیا۔

14۔ گیارھواں اعلیٰ درجے کا ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے بنایا۔ دولت مند اور مہذب ہاتومات تھا۔ وہاں انگرومینوس نے جادوگری کو پیدا کیا۔

15۔ ورہ انگرومینوس طرح طرح کی طاقتیں اور شکلیں پیدا کر سکتا ہے جونہی وہ کسی جادوگر کو ملتا ہے۔ جادوگر طرح طرح کے گناہ پیدا کرنے لگتا ہے مثلاً قتل کرنا، بادل کی رفتار کا بند کرنا۔

16۔ بارھواں عمدہ ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے بنایا۔ راگھا تھا۔ جس میں تین قومیں تھیں۔ تسپر انگرومینوس نے جو کہ گمراہ کنندہ ہے خدا کا انکار پیدا کیا۔

17۔ تیرھواں عمدہ ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے پیدا کیا۔ مضبوط اور پاک کاکرا تھا۔ اس پر انگرومینوس نے طرح طرح کے گناہ یعنی مُردوں کا پکانا پیدا کیا۔

18۔ چودھواں اعلیٰ درجے کا ملک جو میں نے جو کہ اہورامزدا ہوں بنایا۔ چار گوشوں والا دارنیا تھا۔ وہاں فریدوں پیدا ہوا۔ جس نے مہلک سانپ کو قتل کیا۔ اس پر انگرومینوس نے بیماریاں اور وبائیں جو کہ آریا قوم کی نہیں ہیں پیدا کیں۔

19۔ پندرھواں عمدہ ملک جو میں نے یعنی اہورامزدا نے بنایا۔ ہپتا ہندو تھا۔ جس کی وسعت مشرقی ہند سے لے کر مغربی ہند تک ہے۔ انگرومینوس نے جو کہ مہلک ہے۔ اسکے برخلاف برائیاں اور بخار پیدا کئے۔

20۔ سولھواں عمدہ ملک جو میں نے جو کہ اہورامزدا ہوں بنایا۔ سمندر کے کنارے پر خندقوں کے گرد تھا۔ تسپر انگرومینوس نے دیوؤں کی مدد سے برف کو پیدا کیا اور زلزلے بھی واقع کئے۔

21۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے ملک ہیں۔ خوش، نیک بخت اور شان دار۔

باب چہارم

سلطنت بابلون

جس وقت شہر نینوا کی فتح کے بعد سلطنت اسریا کو سیاکسارس بادشاہ میدیا اور بنو پلاسر نے آپس میں تقسیم کیا تھا۔ اس سلطنت عظیم کا ایک حصہ تو میریا سے ملحق ہو گیا تھا اور دوسرا حصہ بنو پلاسر کو اس کی دغابازی کے صلے میں مل گیا تھا۔ بابلون اسی حصے کا نام تھا۔ جس پر بنو پلاسر حکمران تھا۔ لفظ بابلون بابل سے لیا گیا ہے۔ یعنی وہ ملک جس کا دارالخلافہ بابل تھا۔ اس حصے کا زمانہ قدیم میں خالدی نام تھا۔ جس سے ناظرین بخوبی واقف ہوں گے۔ اس لئے ملک بابلون کی حدود وغیرہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ ہاں اتنا کہنا بے محل نہ ہوگا کہ صوبہ سوسان جسے آج کل خورستان کہتے ہیں اور شاہان ایران کے قبضے میں ہے اس زمانے میں بابلون کا خراجگزار تھا۔ اس صوبے کی سرسبزی تمام ایران میں مشہور ہے۔ ملک فونیشیا بھی شاہ بابلون کے قبضے میں تھا۔ ملک فونیشیا کی دولت اس زمانے میں زبان زد خلائق تھی۔ تجارت کی وجہ سے یہ ملک اتنا متمول تھا کہ ارد گرد کے ملک حسد کرتے تھے۔ حقیقت میں تمام ملک بابلون جو لورستان سے لے کر مصر تک پھیلتا تھا اور ارض فلسطین اور مغربی ساحل عرب بھی اس میں شامل تھے۔ نہایت شاداب اور قابل زراعت تھا۔ دریا اور جھیلیں جبکہ ملک کی زرخیزی میں مد تھیں۔ ویسا ہی ملک کی زرخیزی کو بھی دوبالا کرتی تھیں۔ ملک بابلون کے مشہور شہر تقریباً وہی تھے جنہیں قوم خالدین نے آباد کیا تھا۔ البتہ شہر ہائے بورسپا ،دورابہ، سپارہ یا سفارویم، ادپس، ستاسی، کوتھا، ارخ اور تریدون نو آباد اور اس زمانے میں مشہور تھے۔ باوجود ہر طرح کے فوائد ملک بابلون کا محل وقوع نہایت غیر محفوظ تھا۔ ایک طرف تو مصر جو نہایت آباد اور طاقتور تھا اور اپنے مشرقی ہمسایوں کا ہمیشہ سے حاسد تھا۔ بابلون کے لئے خطرناک

تھا اور دوسری طرف قوم مید کے لئے بابلون کے سب دروازے کھلے تھے۔ عرب بھی گو جنگ آور اور بہادر تھے مگر تاریخ قدیم میں وہ کبھی کسی ملک کے لئے خطرناک ثابت نہیں ہوئے۔ کیونکہ آب و ہوائے ناموافق اور ریگستان کی وجہ سے لوگ منتشر ہوتے رہتے تھے۔ بے تعصب مؤرخین کے لئے یہ امر ہمیشہ باعث تعجب رہا ہے کہ عرب کی منتشر اور کم تعداد قوم کو کیونکر حضرت محمد ﷺ کے وقت میں یہ طاقت حاصل ہوئی کہ گردونواح کی زبردست سلطنتوں کو تہ و بالا کرتی ہوئی ہند سے لے کر ہسپانیہ تک اور ہسپانیہ سے جنوبی افریقہ تک تمام ملکوں پر حکمرانی کرنے لگی۔ گو ہزاروں فسانے اور داستانیں مشہور ہیں مگر تاریخ قدیم میں ایسا کوئی بھی واقعہ نظر نہیں آتا۔

بابلونی کون تھے

بابلونی کئی ایک سمتوں سے مخلوط تھے۔ جن میں سے بہت سا حصہ خالدین تھے اور چونکہ خالدین تورانی نسل سے ہیں اس لئے ملک بابلون کے باشندوں میں بہت سے حصے میں تورانی قوم آباد تھی۔ زبان وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں قوم سمیت اور آریا بھی مخلوط تھی۔ ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ ملک خالدی میں سب سے پہلے نسل تورانی آباد تھی۔ جن کی نمرود نے بنیاد ڈالی تھی اور جس قدر تہذیب گردونواح کے ملکوں میں پھیلی وہ اسی قوم سے نقل کی گئی تھی۔ زمانہ قدیم میں 1546 قبل مسیح سے لے کر 1300 قبل مسیح تک ملک خالدی میں عرب خاندان کے بادشاہ حکمران رہے ہیں۔ عرب خاندان سے ملک عرب کے رہنے والے مراد نہیں۔ بلکہ ان کے آباؤ اجداد جو نسل سمیت سے تھے۔ یہ خاندان بزور بازو حکمران نہیں ہوا۔ غالباً عرب خاندان کا قوم خالدین سے کوئی رشتہ و اتحاد تھا اور انقلاب روزگار سے کسی نہ کسی طرح اس قوم نے اس خاندان کے بادشاہوں کے تخت پر متمکن کر لیا۔ 1300 قبل مسیح قوم اسرین نے بابلون دارالخلافہ ملک خالدی کو فتح کر لیا۔ محکوم ہونے کی وجہ سے اس قوم کا نام و نشان مٹنے لگا۔ کیونکہ انہیں فاتح قوم کی زبان اور رسوم مجبوراً اختیار کرنی پڑیں اور چونکہ اسرین نسل سمیت سے تھے۔ اس لئے خالدین کا اس قوم سے اختلاط ہونے لگا۔ حتیٰ کہ مؤرخین قدیم بوجہ مشابہت خالدین کو نسل سمیت سے سمجھتے رہے۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ خالدین اپنی تمام ہمسایہ قوموں سے تہذیب میں افضل تھے۔ اس لئے اسرین کو بھی ان سے بہت کچھ سیکھنا پڑا اور اس طرح یہ دو مختلف نسلوں کے لوگ مل کر ایک ہو

گئے۔خالدین کی قابلیت اور ان کی ایجادیں زمانہ قدیم میں زبان زد خلائق تھیں۔حضرات عزایا، جریمیا اور دانیال ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ارسطو جوان کے وقت سے صدہا سال بعد پیدا ہوا ہے انہیں استاد مانتا ہے۔الغرض اسرین اور خالدین کا اختلاط ہونے سے علم اور تہذیب تو خالدین کی بحال رہی اور زبان اسرین قوم کی غالب آ گئی۔بابلونی جوان دونوں قوموں کی اولاد ہیں۔ان کے خط وخال سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں بہت سی نشانیاں تورانیوں کی بحال رہی ہیں۔جیسا کہ ایک زمانے میں خالدین مہذب قوموں کا سرتاج تھے۔ویسا ہی بابلونیوں نے علم وتہذیب میں اپنی تمام ہم عصر قوموں کو مات کر دیا ہے۔تجارت، حرفت، صنعت اور تعلیم میں وہ یگانہ تھے۔یہودی جو آج کل تجارت میں شہرۂ آفاق ہیں اسی قوم کے شاگرد تھے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ بابلونیوں کو تجارت کے خیال نے طامع آرام پسند اور بزدل بنا دیا تھا۔جیسا کہ آج کل یورپین تجارت کو ترقی دینے کے لئے دنیا و دین کو فراموش کر چکے ہیں اور زر کا لالچ ان سے بڑی بڑی بے شرمی کا کام کراتا ہے۔تماشا گاہوں میں برہنہ عورتوں کا نمودار ہونا، دکانوں میں خوبصورت لڑکیوں کا نوکر رکھنا اسی خیال سے ہے کہ ملک ملک کے بے شرم اور شہوت پرست لوگ دیکھنے آئیں اور اس طرح سے یورپ کا بازار تجارت گرم ہو۔بابلونی بھی غیر ملکوں کے لوگوں کو مائل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی بے شرمی کو روا سمجھتے تھے۔ہر ایک عورت پر فرض تھا کہ اپنی عمر میں ایک دفعہ بلیتس کے مندر کو جائے اور وہاں جو کوئی سرعام اس کا طلب گار ہو اس سے ہم آغوشی کرے۔

بجائے نکاح کرنے کے بابلونی کنواری لڑکیوں کو منڈی میں لے جا کر عوام کے سامنے نیلام کرتے تھے۔اس سے بھی مقصد یہی تھا کہ دور دور سے حسین لڑکیوں کے نظارے کے لئے لوگ بابلون کو آئیں اور یوں طالبان زر نقدی کھری کریں۔کرتیس ایک مؤرخ یونان لکھتا ہے کہ اجنبی لوگ کسی لڑکی کے والدین کو حسب الطلب کچھ رقم ادا کر کے ہم بستری کی اجازت حاصل کر سکتے تھے۔نکلس ومسکس ایک اور مؤرخ یونان کہتا ہے کہ "بابلونیوں کی لڑکیاں ملائم الطبع اور نازک بدن تھیں۔جواں مرد ان کی رنگین پوشاکوں پر نظر کرنے کو رتبۂ اعلیٰ کا حاصل کرنا سمجھتے تھے۔ان کی بالیاں قیمتی اور لباس قابل دید تھے۔ہر ایک شخص بہت سی شادیاں کرتا تھا۔شراب خوری عام تھی۔اکل وشرب پر فضول خرچیاں کرتے تھے۔میزیں سونے اور چاندی کے برتنوں سے لدی نظر آتی تھیں۔قصہ مختصر بابلونی ہر طرح کی عیش وعشرت پر فدا تھے۔"

معصیت اور بدکاری گو عارضی وقت کے لئے قوم کی خواہشوں کو پورا کر دے تو کیا اس کا انجام ہمیشہ تباہی اور بربادی ہے۔ عروج کے زمانے میں بابلونی بہادر اور طاقتور سپاہی تھے۔ خلیج فارس سے لے کر دریائے نیل تک کے میدان ان کی الوالعزمی کے گواہ ہیں۔ باوجود مرد میدان ہونے کے بابلونی بڑے ظالم تھے۔ مفتوحہ قوموں کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو جلاوطن کرنا، تکلیف دہ اور طویل قید اور مغلوبوں کے بچوں کا ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کرنا معمولی سزائیں تھیں۔ قوانین کی سختی سے امیر و غریب یکساں ترساں تھے۔ بادشاہ، وزیر اعظم تک کو ایک اشارہ سے قتل کرا سکتا تھا اور اگر رعیت بادشاہ کی دشمن ہو جاتی تھی تو وہ بھی بادشاہ کو نہایت ذلت سے مار ڈالے بغیر آرام نہیں لیتی تھی۔ اکثر گرم کڑاہی میں پھینک کرا سے جلا دیتے تھے۔ ان تمام ظلموں کی بنا غرور تھا۔ غرور جو ایک مہلک مرض ہے، کامیابی کے وقت کم و بیش ہر قوم پر غلبہ کرتا ہے اور انجام کار تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ بابلونی غرور و تکبر میں تمام ایشیائی قوموں سے بڑھ کر تھے۔ جس وقت بنوچدنذر نے اردگرد کی ریاستوں کو فتح کر کے شہر بابلون کو مالا مال کیا۔ اس وقت تکبر نے بے اختیار اس کے منہ سے نکلوا دیا۔ "کیا یہ بابلون وہی ہے جسے میں نے اپنی طاقت بے مثال کے اظہار اور اپنی ذات اعلیٰ کی عزت کے لئے بنایا ہے"۔ الغرض بوئے خودی سے قوم کا دماغ پُر ہو گیا باوجود تمام برائیوں کے بابلونی متعصب اور مذہب میں ثابت قدم تھے۔ مگر ان کی عبادت محض ریاکاری اور جاہ و جلال کے دکھاوے کا ذریعہ تھی۔ تجارت میں ان کا دیانت دار ہونا ان کی ترقی سے ثابت ہوتا ہے۔ جب تک ایک قوم جو تجارت کو بڑھانا چاہتی ہے۔ حساب میں سچائی ا. ر معاملہ میں درستی اختیار نہ کرے کامیابی ناممکن ہے۔ دیانت دار تاجر اپنے لئے مستقل اور روزافزوں ذریعہ معاش بناتا ہے اور دھوکے باز دکان دار یا تو ایک نہ ایک دن دیوالیہ ہوتا ہے اور یا بلائے قید میں گرفتار ہوتا ہے۔

تو پاک باش ہرا ور مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ

شہر بابل

کہو کچھ تو اے شہر خاموش زباں — زمانہ کی گردش ہے تجھ سے عیاں
زمیں تو نے دیکھے عجب انقلاب — ہی خشک گاہے گہے غرق آب
سمندر جہاں آج ہے موجزن — وہاں کل کھڑا تھا درختوں کا بن

اگر تاریخ کا مسئلہ صحیح ہوتا تو خدا جانے آج کتنے ہی دل شکستہ اور غم رسیدہ اس ویران شہر کے کھنڈروں پر آنسو بہاتے نظر آتے۔ وہ اولوالعزم بادشاہ جو دارالخلافہ کی زیب و زینت کو اپنے لئے عزت و افتخار کا باعث سمجھتے تھے وہ جفاکش مزدور جو تادم نزع اس عالیشان شہر کی تعمیر میں مشغول رہے ہیں اور وہ مغرور اہل شہر جو اس شہر کے خوبصورت بازار اور مہکتی ہوئی گلزاروں کو دیکھ کر جنت فردوس پر ترجیح دیتے تھے۔ کیا آج اس مخزن شان و شوکت اور مرکز علم و تجارت کو مٹی اور چونے کا انبار دیکھنا انہیں خون کے آنسو نہ رلاتا بابلونی تو کیا سینکڑوں مسافر جنہوں نے اس کے قدیمی عز و جلال اور موجودہ زوال کا اندازہ لگایا ہے۔ ان عبرت کے موتیوں پر جو اس خاک کے ذرے ذرے میں پنہاں ہیں دو چار آنسو نثار کر ہی آئے ہیں۔

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

گو مؤرخین قدیم شہر نینوا کو بابل سے بڑا بیان کرتے ہیں۔ مگر کھنڈرات کے ملاحظہ اور دیگر وسائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابل بڑا تھا۔ شہر بابل مربع شکل کا تھا اور مؤرخین قدیم کے بیان کے بموجب اس کا گردا کوئی چھپن میل کے قریب تھا اور فصیل شہر کے اندر اس قدر قابل زراعت زمین موجود تھی۔ اگر شہر کا محاصرہ ہو جاتا تو باشندگان شہر کے اندر ہی کافی غلہ پیدا کر سکتے۔ دریائے فرات جو شہر کے وسط میں سے گزرتا تھا۔ کشتیوں سے پُر تھا۔ پل بھی جا بجا تھے۔ مشہور عمارات شہر بلوس کا مندر اور دو محل ہیں۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ بلوس کا مندر مربع شکل کا تھا۔ جس کا ایک ضلع چوتھائی میل سے کم نہ ہوگا۔ مندر کا مینار جو آٹھ منزل کا تھا۔ بابلونیوں کی عالی حوصلگی اور دریا دلی کا ثبوت ہے۔ ہیروڈوٹس کے وقت میں آخری منزل پر ایک سونے کی میز اور چارپائی دھری تھی۔ بت اس زمانے میں وہاں نہیں تھے۔ فارسیوں کے حملہ بعد جب سب قیمتی چیزیں وہاں سے لٹ گئیں۔ تو بت دھرے گئے۔ دایودوس لکھتا ہے کہ بت خانے میں تین سونے کے بت تھے۔ یعنی بیل ہلیتیس اور ایشتر کے۔ بلیتیس کے بت کے سامنے دو سونے کے شیر تھے اور ان کے نزدیک ایک نہایت وزنی چاندی کا سانپ دھرا تھا۔ سونے کی میز چالیس فٹ لمبی اور پندرہ فٹ چوڑی تھی اور ان بتوں کے سامنے دھری تھی۔ سونے چاندی کے گھڑے اور گلاس بھی وہاں دھرے تھے۔ مینار کی آٹھویں اور پہلی منزل پر اسی قسم کا قیمتی سامان دھرا ہوا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپ اور عجیب مقام باغ آویزاں تھا۔ جو بادشاہ بنوچدنذر نے اپنی بیوی آموہیا کے لئے تعمیر کیا تھا۔ اس

باغ کی خوبصورتی حیطۂ تحریر سے فزوں ہے۔ دور دور سے لوگ دیکھنے آتے تھے۔

وہ مقام جسے عرب آج کل بابل کہتے ہیں۔ کھنڈرت کا شمالی حصہ ہے اور نہایت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ دیوار شہر بھی نہایت عجیب و غریب ہے جو کرتیس کے قول کے بموجب ایک سو نوے فٹ بلند اور چالیس فٹ عرض میں تھی اور فصیل میں دو سو پچاس مینار تھے۔

اس زمانہ کے علم و ہنر

ہر ایک مؤرخ اس بات کو مانتا ہے کہ فارسیوں کے حملہ سے پہلے تمام اقوام قدیم کی نسبت زیادہ شائستہ اور عالم تھے۔ علماء انہیں مصریوں کا ہمسایہ خیال کرتے ہیں۔ یونانی اور رومن بھی ان کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ بابلونی نجوم اور علم تعمیر میں شہرۂ آفاق تھے۔ ان کی عمارات میں سے دو دنیا کی سات عجائبات میں سے گنی جاتی ہیں۔ اولاً بلوس کا مندر اور دوم باغ معلق۔ علم نجوم میں خصوصاً ان کی کسی نے برابری نہیں کی۔ یونانی جن کا تمام یورپ مدح سرا ہے۔ اپنے تئیں علمائے بابل کا ادنیٰ شاگرد کہتے ہیں۔ علم تعمیر میں اولاً قوم خالدین نے بڑی ترقی کی ہے۔ بابلونیوں کی بے مثل عمارات خالدین ہی کی ایجادوں کا نتیجہ ہیں۔ بابلونی مندروں کی زیب و آرائش میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ بلوس کا مندر اس بیان کا کافی ثبوت ہے۔ برس کے مندر کی بھی عمارت لاثانی ہے۔ اسے انہوں نے عقائد نجوم پر مبنی کیا تھا۔ مندر کے نیچے سے لے کر اوپر تک سات درجے تھے۔ ان سات درجوں کے انہوں نے علیحدہ علیحدہ رنگ مقرر کئے تھے جو کہ سات برجوں کے متناسب تھے۔ سورج کے لئے سنہری، چاند کے لئے چاندی کا سا رنگ، زحل کے لئے سیاہ، مشتری کے لئے نارنگی یا صندلی، مریخ کے لئے سرخ، زہرا کے لئے پیلا اور مرکری کے لئے نیلا رنگ مقرر کیا ہوا تھا۔ ان سات برجوں کا حساب قوم خالدین کے وقت سے ہے۔ اس عمارت کو دیکھ کر اس لائق معمار کے ہاتھ چومنے کو جی چاہتا ہے۔ کس کس حکمت سے اس نے ہر ایک رنگ کو بنایا ہے۔ پائیدار اور مضبوط عمارتوں کے بنانے کے نسخے انہی کو معلوم تھے۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بابلونی کلیں وغیرہ بنانے کے بھی علم سے ماہر تھے چنانچہ کھنڈرات میں سے ایک خورد بین بھی برآمد ہوا ہے۔ بابلونی چھوٹے چھوٹے نگینوں پر اس خوبصورتی سے تصاویر بناتے تھے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ سوئے اعلیٰ درجے کے اوزار اور خورد بینوں کے ایسا کام کرنا محال ہے۔ سیم وزر

اور طرح طرح کی دھاتوں پر ان کی دست کاری پایۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ پارچات بنانے میں بھی وہ شہرۂ آفاق تھے۔ خصوصاً ان کے بنائے ہوئے قالین اور دریاں جن کے لئے آج کل روم اور ایران مشہور ہیں عجیب وغریب تھے۔ یورپ کا موجودہ علم نجوم مختلف طریقے سے ہے۔ مگر حقیقت میں مختلف ستاروں کے مقامات وغیرہ کو یاد رکھنے اور نظام فلکی کے تغیرات کو ملاحظہ کرنے کے لئے خالدین کا طریقہ یورپ سے بدر جہا بہتر ہے۔ کیونکہ وہ ستاروں کے اکٹھا ہونے سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں۔ ان کا خیال رکھتے تھے۔ چونکہ سیارے گردش کرتے کرتے ہمیشہ اپنے مقامات کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے الگ الگ زمانے کی اشکال نجوم کا ملاحظہ کرنے سے ہم بآسانی ان کی رفتار اور طریقہ گردش کے متعلق اصول وضع کر سکتے ہیں۔ یورپ کے نجومی بھی آج کل بابلونیوں کی نقل کر رہے ہیں اور انہی کے طریقے سے مشاہدے کرتے ہیں۔ قدیمی علم نجوم جسے آج کل یورپین ہند میں لائے ہیں انہوں نے مسلمانوں سے سیکھا ہے کیونکہ عرب نے ہسپانیہ کے کتب خانوں کو ہر طرح کے علوم کی کتابوں سے لبریز کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے مصر و یونان اور یونان نے بابلونیوں سے سیکھا ہے۔ بر جہائے شمسی اور قمری کا حساب بلکہ علم نجوم کے سارے اعلیٰ اصول بابلونیوں کے وقت سے ہیں۔ سورج اور چاند گرہن کی نسبت بھی انہوں نے بہت سے مشاہدے کئے تھے۔ مگر حقیقت میں انہوں نے اس زمانے میں اس کی اصلی وجوہات معلوم نہیں کیں۔ کیونکہ نظام فلکی کے اصول دریافت کرنے کے لئے طول وطویل زمانہ چاہیے۔ انہوں نے حساب کر کے لکھا ہے کہ اٹھارہ سال اور دس روز کے بعد چاند گرہن واقع ہوتے ہیں۔ یونانیوں کا سب علم نجوم بابلونیوں کے طفیل تھا۔ بابلونیوں نے کتبوں پر چاند گرہن کی چار تاریخیں تحریر کی ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔ 721 قبل مسیح۔ 720 قبل مسیح۔ 621 قبل مسیح اور 523 قبل مسیح۔ ان میں سے 721 قبل مسیح کا گرہن کل چاند پر تھا۔ مؤرخین قدیم نے یہ غلطی کی ہے کہ علم نجوم کے آغاز کو بادشاہ بنوناصر کے وقت سے خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یوں ہے کہ اس بادشاہ نے اس لالچ سے کہ اس کا نام آئندہ کے لئے علم نجوم کے شائقین میں مشہور ہو اور اسے اس علم کا موجد گردانا جائے۔ تمام پرانی کتابوں وغیرہ کو برباد کر کے مشاہدات کا حساب اپنے وقت سے شروع کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر حقیقت میں علم نجوم اس سے ہزارہا سال پہلے کا ہے۔ جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے۔ بابلونی سورج گرہن کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت چاند، سورج اور زمین کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کی مختلف حرکات اور ان کے باہمی فاصلوں کی نسبت ان

کی معلومات زمانہ حال سے کم نہ تھیں۔ کیونکہ بہت سے نتائج انہیں کے وقت سے مانے جاتے ہیں۔ یونان کو ان کے علم کا ایک حصہ معلوم تھا جس پر آج یورپ کے علماء مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں غالبًا بابلونیوں کے پاس دوربین بھی ہوں گی۔ کیونکہ ایسے مشاہدات میں اس آلے کا ہونا ضروری ہے۔ کھنڈرات میں سے بہت سے کتبے ایسے پائے گئے ہیں جن میں نجوم کے ذریعے سے پیشن گوئیاں کی ہوئی ہیں۔ ہندوستانی وضع کا نجوم بھی انہی کے وقت سے ہے۔ جیسا کہ آج کل یورپ میں موسم کے بغیر اور بارش وغیرہ کی نسبت پیشن گوئیاں کرتے ہیں۔ بابلون میں یہ بھی رواج عام تھا۔ حتیٰ کہ وہ زلزلہ وغیرہ کی پیشن گوئیاں کیا کرتے تھے۔ مگر یہ امر باعث تعجب ہے کہ ان کی پیشن گوئیاں صرف اپنے ہی ملک میں محدود تھیں۔ گردونواح کے ملکوں کی نسبت کبھی انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ یونانی، سیدین، نابوریان وغیرہ اس زمانے کے چند مشہور نجومیوں کا نام بیان کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے ان کے زیادہ حالات نہیں لکھے۔ بابلون میں سال بھر کے لئے جنتریاں فروخت ہوتی تھیں۔ جس میں موسم وغیرہ کی نسبت تاریخ وار پیشن گوئیاں درج ہوتی تھیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بابلونی علم ریاضی میں بہت لائق ہوں گے۔

بابلونیوں کے اوضاع واطوار

کھنڈرات میں سے جو کتبے وغیرہ دستیاب ہوئے ہیں۔ گو ان سے بابلونیوں کے اوضاع واطوار کا نتیجہ نکالنے میں کافی مدد نہیں ملتی۔ مگر مؤرخین یونان کی تحریرات اس معاملے میں مکمل ہیں۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ وہ لٹھے کا گھگھرا پہنتے تھے جو پاؤں تک پہنچتا تھا اور اس پر ایک اور گھگھرا جو ریشم یا کسی اور قیمتی کپڑے کا ہوتا تھا پہنا جاتا تھا۔ گلے میں عام لوگ چھوٹا سا انگرکھا یا فتوئی پہنتے تھے۔ مگر امیر لوگ ایک قسم کا لمبا چوغہ جس میں بازو ننگے رہتے تھے پہنا کرتے تھے۔ دستار بھی رائج تھی۔ گو امیر لوگ آسانی کے واسطے ایک خاص وضع کی ٹوپی کو ترجیح دیتے تھے۔ بہرصورت ان کا لباس آج کل کے عرب لوگوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ بادشاہ زیور کے بھی شوقین تھے چنانچہ عمومًا کڑے پہنا کرتے تھے۔ پاپوش کی بجائے چپلیاں استعمال کی جاتی تھیں۔ ہتھیار اس زمانے میں سب اعلیٰ درجے کے موجود تھے۔ تیر کمان، خود، تیغ و تبر اور زرہ نہایت صفائی اور کاریگری سے بنائے جاتے تھے۔ سپاہ پیادہ اور بہلیوں کا انتظام بطور سابق تھا۔ چوپہیہ گاڑی جس میں چار گھوڑے

جنتے تھے بابلونیوں نے ایجاد کی تھی۔ اس قوم کا استقلال فتح یروشلم سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ جب تک اس شہر کو فتح نہ کر سکے برابر سال بہ سال حملہ آوری کرتے رہے۔ قواعد وغیرہ میں بابلونی لائق نہ تھے اور سپاہ کو مختلف قوموں سے جمع کرتے تھے۔

حملہ آوری سے پہلے فالیں ڈالی جایا کرتی تھیں اور جس طرح جنگ شروع کرنے کی پروہت ترغیب دیتے تھے اس پر عمل کیا جاتا تھا۔ پروہت لڑائی میں بھی ہمراہ رہا کرتے تھے۔ خالدین علم فلسفہ وغیرہ میں لائق ہونے کی وجہ سے عموماً پروہت مقرر کیے جاتے تھے اور انہیں ہر طرح کا امتیاز اور رعب و داب حاصل تھا۔ بت خانوں کی عبادت، فالیں ڈالنا، علم نجوم سے پیشن گوئیاں کرنی سب انہی کے سپرد تھا۔ ان کے پاس کتابیں بہت اعلیٰ اعلیٰ درجے کی مخفی رہا کرتی تھیں۔ جن کا اوروں کو میسر ہونا محال تھا اور چونکہ یہ کتابیں زبان خالدین میں تھیں اس لئے ان کا پڑھنا بھی غیروں کے لئے ممکن نہ تھا۔

بابلونی تجارت میں نہایت سرگرم تھے اور طرح طرح کا کپڑا درآمد کے لئے تیار کرتے تھے۔ مال تجارت کی تقسیم میں آسانی کے لئے انہوں نے اردگرد کی املاک میں گدام خانے مقرر کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ساحل عرب پر ایک مقام موسوم بہ گڑہ میں بہت سا مال فروخت کا ذخیرہ جمع رہا کرتا تھا۔ علاوہ دوسرے ملکوں کے ان کا مال تجارت ہند کو بھی جاتا تھا۔ درآمد کا مال یا تو براہ راست جہاز کے ذریعے سے اور یا خشکی کے راستے بلوچستان سے ہو کر ہندوستان کو پہنچتا ہوگا۔ زراعت کا بھی یہ قوم کچھ کم خیال نہیں کرتے تھے۔ کھجوروں کے لئے سوائے پانی کا انتظام کرنے کے انہیں کچھ اور تکلیف نہ تھی۔ بابلونی کہتے ہیں کہ کھجور کے درختوں میں بھی مؤنث اور مذکر کی تمیز ہے۔ جب تک مذکر کھجور کا اندرونی حصہ مؤنث کھجور کے پھولوں سے نہ چھوئے، پھل پیدا ہو نہیں سکتا۔ اگر ان دونوں درختوں کو نزدیک نزدیک بویا جائے تو قدرت خود ان ضروریات کو پورا کر دیتی ہے۔ کھجوروں کی ترقی کے لئے بابلونی مصنوعی ذریعے بھی کام میں لاتے تھے۔ اگر زمین ریتلی نہ ہوتو وہاں نمک چھڑک دیتے تھے اور وہاں گھٹلی یا شاخ کو بو دیتے تھے۔ حسب ضرورت درخت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کو تبدیل کر دیتے تھے۔ مگر ایسا تغیر عموماً نصف موسم گرما میں کیا جاتا تھا۔ ترکاریاں اُگانے میں بھی یہ قوم بہت ہوشیار تھی۔ بابلونی مچھلی کے بڑے شوقین تھے اور اسے جال کے ذریعے سے پکڑ کر نہایت عجیب طریقے سے پکاتے تھے، اسے دھوپ میں سکھا کر پیس ڈالتے تھے اور پھر اس کی روٹیاں پکائی جاتی تھیں۔ باوجود اس قدر شائستہ اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بابلونی غیر مہذب قوم میدی کی طرح شراب خور تھے۔ علم موسیقی تو ان کا روح رواں تھا۔ ستار، طنبورہ

اور کئی اور ساز بجاتے تھے۔ عورتوں کا پردہ بابلونیوں میں رائج نہ تھا۔ اس لئے چندر سومات بدجن کا پیشتر ذکر کیا گیا ہے کچھ باعث تعجب نہیں۔ آج کل گو تمام یورپ زنانہ پردے کی مخالفت کرتا ہے مگر کیا تاریخ قدیم اور کیا یورپ کے موجودہ حالات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جن قوموں میں پردے کا رواج نہیں۔ زنا کاری اور بدکاری بھی وہاں عام ہیں ہاں عورتوں کو تعلیم پانے اور مہذب ہونے سے روکنا سراسر غلطی ہے۔ ہماری اولاد کی تعلیم اور لیاقت انہی کی توجہ سے ترقی پذیر ہو سکتی ہے۔ جب عورتوں کو بھی خدا نے دماغی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں تو ان کا بھی استعمال کرنا چاہیے۔ تہذیب اور تعلیم اگر ظاہرداری اور غیر ضروری آراستگی کے خیالات سے بری کی جائے اور اس کی بنا طلب حقیقت اور خاکساری پر ڈالی جائے تو قوم کے سب عیبوں کی دوا بن سکتی ہے۔ ورنہ ایسی تہذیب سے جو بے جا آزادی سکھاتی ہے، جاہل مطلق رہنا بہتر ہے۔

ہندوستان کی تہذیب کو شروع ہوئے گو دو ہزار سال ہو گئے ہیں۔ جہاں تک ہمیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تعلیم نسواں کا ابتدا ہی سے خیال نہیں کیا گیا۔ اب اگر ناظرین سے پوچھا جائے کہ اگر یہی طول وطویل عرصہ عورت سرگرم تعلیم رہتیں اور مردوں کو سیکھنے سے محروم کیا جاتا تو ملک کی کیا حالت ہوتی۔ جس کسی نے تعلیم یافتہ عورت کے حالات پر غور کیا ہے وہ بلا تامل کہہ دے گا کہ آج کم سے کم نصف ہندوستان کی عورتیں عالم اور لائق ہوتیں اور ہند میں علم آج کل کی نسبت بدر جہا زیادہ اور وسیع ہوتا۔ اب مردوں نے آج تک ہندوستان میں کیا قابلیت ظاہر کی ہے۔ ابتدا میں انہوں نے چند صدیوں میں یکا یک ایسی ترقی کی کہ کہیں کے کہیں پہنچ گئے اور ابھی انہیں دادلیاقت اور ہوشیاری بھی نہیں ملی تھی کہ ایک آدھ صدی میں پھر جاہل مطلق ہو گئے۔ الف کے نام بے بھی نہیں سمجھتے۔ نادانی اور جہالت کی چند صدیوں کے بعد حملہ آور مسلمانوں نے پھر انہیں تعلیم کی گاڑی کے آگے جوت دیا۔ واقعات بدنے اب بھی دور تک نہ پہنچنے دیا اور بار دیگر ابر جہالت ملک پر پھیل گیا۔ کاش کہ ہم ہمیشہ سے ہی بے علم وتہذیب ہوتے آج ہمیں یہ کہہ کہہ کر تو رونا نہ پڑتا کہ ہمارے باپ دادا عالم نجوم و منطق تھے اور ہمیں ہائے لکھنا پڑھنا بھی نہیں آتا۔ ان سب برائیوں کے اسباب ہماری عادات و رسوم میں پنہاں ہیں۔ اشرف المخلوقات کہلانے کے صرف مرد ہی مستحق نہیں اس میں عورت بھی شامل ہے۔ خداوند کریم نے بعض باتوں میں مرد کو فضیلت بخشی ہے اور بعض میں عورت کو۔ کامیابی تب ہی ہو سکتی ہے کہ دونوں فضیلتوں سے کام لیا جائے۔ مرد میں قوت ایجاد زیادہ ہے اور عورت میں قوت حافظہ۔ مرد ہزار علوم بنا دیں مگر جب تک وہ عورتوں کو نہ سکھائے جائیں گے ان کا پائیدار ہونا ناممکن ہے۔ کتابیں جل سکتی ہیں، کتبے برباد ہو سکتے ہیں مگر جو علوم حافظہ

میں ہیں تاہم ایسے انسان زائل نہ ہوں گے۔ یہ داستانیں جو ہزار ہا سال کی ہمیں کتبوں سے ملی ہیں۔ خدا جانے کتبوں کی تحریر سے کتنے ہزار سال پہلے کی ہیں۔ انہیں کس نے محفوظ رکھا ہے۔ عورات کے حافظہ نے۔ مرد جنگ میں تلاش معاش میں یا کسی اور شغل میں ساری باتیں بھول جاتا ہے یہ عورت ہی کی طفیل ہے کہ نسلاً بعد نسلاً اپنے معلومات کو اولاد کے سپرد کر کے ہزار ہا سال تک قائم رکھتی ہے۔ جیسے کہ عورت کسی چیز کے ایجاد کرنے میں ناقابل ہے۔ ویسے ہی کسی ایجاد کردہ چیز کے پھیلانے میں بے بدل ہے۔ کسی عورت کو کوئی جھوٹی سچی حکایت کہہ کر تجربہ کر دیکھو کہ کتنے قلیل عرصے میں ہر ایک کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ علوم کے پوشیدہ رکھنے کی علت جو ہمارے سلف کو اسی سبب سے تھی کہ وہ عورتوں کو نہیں سکھاتے تھے۔ اگر عورتوں کو اپنا رازدار بناتے تو آج ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک علوم قدیم کا ڈنکا بجتا نظر آتا۔ عورتیں صرف علم کے پھیلانے ہی میں مدد نہیں دیتیں بلکہ اس کی ترقی میں بھی وہ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ جس وقت تعلیم عورتوں کے معلومات کو مرد کے درجے تک پہنچاتی ہے۔ تو مرد کو از خود ترقی کا اشتعال پیدا ہوتا ہے اور چونکہ اس میں قوت ایجاد موجود ہے۔ اس لئے وہ آگے بڑھنے میں ناکامیاب نہیں ہو سکتا۔ جھوٹ بھی ہندوستان کے مہلک امراض میں سے ہے۔ جس خاندان یا قوم میں عورتوں کو عزت و شرافت حاصل ہو، وہاں یہ عادت بد کبھی داخل ہونے نہیں پاتی کیونکہ راست بازی عورت کا قدرتی جوہر ہے۔ اس کا رعب مردوں کو بھی اس گناہ کا مرتکب ہونے نہیں دے گا۔ جھوٹ بھی انسان کی قوت ایجادی کا نتیجہ ہے۔ میں نے مرد و عورات کے علیحدہ علیحدہ خواص کا مطالعہ کیا ہے۔ مگر اس مضمون کی تفصیل آئندہ کی جائے گی کیونکہ اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ اگر ہم نے عورتوں کی تعلیم اور ترقی میں بھی ویسی ہی کوشش کی۔ جیسا کہ ہم مردوں کے لئے سر کھپاتے ہیں۔ تو قوم کی ہزاروں خرابیاں دور ہو جائیں گی اور ہندوستان آسمان تہذیب پر مہر درخشاں ہو کر دنیا کو روشن کریگا۔

مذہب بابلون

بابلونیوں کا مذہب وہی تھا جس کے پندرہ سو سال پہلے قوم خالدین معتقد تھے۔ حتیٰ کہ پروہتوں کا لباس تک تا حال وہی تھا۔ ہاں اتنے عرصہ میں یہ فرق ضرور ہو گیا تھا کہ اس قوم کے عیاش اور شائق شان و شوکت ہونے کی وجہ سے مندروں کا جاہ و جلال اب بدرجہا زیادہ تھا۔ بت طلائی کام سے مرصع تھے۔ بڑی بڑی قیمتی اشیا بصدقہ کے طور پر بتوں کی نذر کی جاتی تھیں۔ گاہے گاہے اختلاف رائے سے وقتاً فوقتاً بتوں کی تعظیم و تکریم میں بھی تفرقے پڑتے تھے۔ بادشاہ

بنوچدنذر نے میرو داخ کے بت کی فضیلت اور عظمت کو بدر جہا بڑھا دیا اور اسے قدیمی بت نبل نامی کا ہمپایہ سمجھنے لگا۔ عوام کی پرستش میں تین بت اعلیٰ تھے۔ میرو داخ، نبل اور ینبو۔ چونکہ بادشاہوں کے نام سے ہم اس کی پرستش کے خاص بتوں کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ مثلاً بادشاہان بنوچدنذر، بنو پلاسر اور بنونی درس کے ناموں سے ثابت ہے کہ یہ بادشاہ بت ینبو کی پرستش اور تکریم کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی بھی بعض بعض دفعہ اپنے ناموں کو بتوں سے منسوب کرتے تھے۔ مگر وہ نام انہوں نے قصداً بگاڑ دیئے ہیں تاکہ ان کی اصلیت کا پتہ نہ لگ سکے۔ مثلاً ایک یہودی شاہزادہ جس نے بابلون میں تعلیم پائی ہے۔ موسوم بہ عبدالینبو تھا۔ یعنی بت ینبو کا غلام۔ گو یہ نام آج تک رائج ہے مگر یہودیوں نے اسے بگاڑ کر عبدالینگلو کر دیا ہے۔ بتوں کی اس زمانے میں ایسی کثرت تھی کہ جابجا چھوٹے چھوٹے مندر بنے ہوئے تھے۔ جہاں پرستش کے لئے کم سے کم ایک بت تو ضرور ہوتا تھا۔ عوام بتوں کے سامنے طرح طرح کی اشیاء خوردنی رکھ جاتے تھے جنہیں پروہت چٹ کر جاتے تھے اور غریب لوگ بیچارے خیال کرتے تھے کہ بت ہی کھا جاتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے لوگ بتوں اور خداؤں میں تمیز کرتے تھے اور بتوں کو مختلف خداؤں مثلاً چاند، سورج وغیرہ کی نشانیاں وغیرہ خیال کرتے تھے۔ مگر باوجود علم ولیاقت کے وہ بھی بدعتوں سے خالی نہ تھے۔ جیسا کہ آج کل عیسائیوں میں بعض عورتیں شادی نہیں کرتیں ویسا ہی ان میں بھی بعض کنواری عورتوں کو پروہتن بنایا جاتا تھا اور لوگ خیال کرتے تھے کہ خدا (ان کے معنوں میں) رات کے وقت آسمان سے اترتا ہے اور پروہتن سے ہم بستری کرتا ہے۔ اس خیال سے بت کے سامنے ایک چارپائی پڑی رہتی تھی۔ جس پر پروہتن خاص خاص موقعوں پر رات بھر سوتی تھی اور پروہت اپنا منہ کالا کرنے کے لئے وہاں جادھمکتے تھے۔ عیسائیوں میں بھی بن بیاہی عورتیں جو کسی عیسائی مندر میں داخل ہو جاتی ہیں مقدس شمار کی جاتی ہیں۔ یہ رسم کفار قدیم سے ہے۔ گو عیسائیوں کو ان افعال بد کا مرتکب سمجھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ بت لکڑی، پتھر اور دھات وغیرہ سے بنائے جاتے تھے۔ سونا، چاندی، لوہا، روئیں اور پیتل بھی مستعمل تھا۔ بعض دفعہ بتوں پر غلاف بھی چڑھاتے تھے۔ مثلاً نبل کا بت چاندی کا تھا اور اس پر بنوچدنذر نے سونے کا غلاف چڑھایا۔ پروہتوں کو گزارہ کے واسطے مندر کے متصل کچھ زمین مل جاتی تھی اور نذر ونذرانوں سے بھی ان کا کیسہ پُر رہتا تھا۔ ہیروڈوٹس مورخ یونان لکھتا ہے کہ سال میں ایک بڑا بھاری میلا لگتا ہے جس پر بڑے بڑے جلسے ہوتے تھے۔ اس موقع پر لوگ بتوں کو مقدس گاڑیوں میں بٹھا کر سیر کرانے لے جاتے تھے۔

علاوہ بتوں کے بابلونیوں نے بعض خداؤں کے لئے الگ الگ علامات مقرر کی ہوئی تھیں۔ صلیب جس کی پرستش عیسائیوں میں عام ہے بابلون کے ایک بت کی علامت تھی۔ شمس (سورج کا خدا) کی علامت ایک دائرہ تھا اور اس کی بیوی مسماۃ گولا کی نشانی ایک آٹھ کرنوں والا ستارہ بتاتے تھے۔ بابلون کے بہت سے مندروں کے نام قوم خالدین کے وقت سے ہیں مثلاً بیل کے مندر کا نام بیت۔ ساگاتھ قدیم سے ہے۔

ملک بابلون کے تاریخی واقعات

گو ناظرین ملک خالدی کا حال پڑھ چکے ہیں۔ مگر صرف تاریخ کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے چند باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تیرہ سو سال قبل مسیح یہ ملک تغلات نین بادشاہ اسریا نے فتح کر لیا تھا۔ مگر چونکہ وہ خود وہاں کا انتظام کرنے کے ناقابل تھا۔ اس لئے اس نے اپنے ایک رشتہ دار کو وہاں کا حاکم قرار دیا اور کچھ عرصہ تک یہ ملک برائے نام خراجگزار رہا۔ رفتہ رفتہ ملک خالدی آزاد ہو گیا اور باہمی جنگ و جدال ہونے لگا۔ مصر جو قدیم سے سلطنت اسریا کا حاسد تھا اس ملک کی مدد کرتا رہا۔ اس لئے بادشاہ اسریا نے بجائے کچھ کامیابی حاصل کرنے کے اپنے ملک کا تھوڑا سا حصہ ان لڑائیوں میں ہار دیا۔ اس ناکامی سے دو سو سال کے بعد اسریا نے پھر اپنی طاقت کو بڑھا کر از سر نو کوشش شروع کی اور 850 قبل مسیح اشور از یرپا لکے بیٹے نے طول و طویل جنگ کے بعد ملک خالدی کو فتح کر لیا۔ مگر 747 قبل مسیح میں بادشاہ بنو ناصر کے وقت پھر یہ ملک آزاد ہو گیا۔ مگر اس بادشاہ نے ملک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر کے اپنے تئیں ضعیف کر لیا۔ سمی رامس نامی ایک مشہور و معروف عورت جس کی تعریف میں مؤرخین اس قدر سرگرم ہیں اسی بادشاہ کی بیوی تھی۔ 721 قبل مسیح میرو داخ بالا دان بابلون کا بادشاہ تصور کیا گیا۔ اس بادشاہ نے ایک عجیب و غریب معجزہ دیکھا اور اس کی تعبیر پوچھنے کے لئے ہزیکیہ پیغامبر کی طرف شہر یروشلم کو ایک سفیر روانہ کیا۔ ہزیکیہ نے اسے بتایا کہ تم ایک نہایت مہلک بیماری میں مبتلا ہو گے مگر بعد میں شفا پاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میرو داخ بالا دان کو آخر کار بادشاہ اسریا نے شکست دے کر جلا وطن کر دیا۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ تخت بنو پلاسر کو اس کی بے وفائی کے عوض میں نصیب ہوا۔ جیسا کہ ناظرین پڑھ چکے ہیں۔

بادشاہان بابلون کی فہرست عرب خاندان کے تسلط سے بنو پلاسر کے وقت تک یہ ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

بادشاہ کا نام	سن حکومت	اس کے عہد کے مشہور واقعات
خاندان اسرین	1300 قبل مسیح	تغلات نین نے بابلون فتح کیا
بنو چید ندراول	1500 قبل مسیح	
میرودانخ ادین اخی	1130 قبل مسیح	بادشاہان اسریا سے نزاع میں ہوتی رہیں
میرودانخ شاپک زیری		
سبر		بابلون نے مصر سے معاہدہ کر کے تھوڑا سا ملک
	880 قبل مسیح	اسریا سے فتح کر لیا اشوروزیرپل شاہ اسریا نے
		لڑائی کر کے بابلون سے اپنا ملک واپس لیا
میرودانخ سم ادین	850 قبل مسیح	شلمانسر شاہ اسریا نے خانگی جنگ کے وقت اس
		بادشاہ کی مدد کی
میرودانخ بلاتزواجی	820 قبل مسیح	شمس دل بادشاہ اسریا نے بابلون فتح کیا
پل	775 قبل مسیح	
بنوناصر	747 قبل مسیح	ملک بابلون پھر آزاد ہو گیا
نادیس	733 قبل مسیح	
چنسینوس	731 قبل مسیح	
الولویا	726 قبل مسیح	
میرودانخ بالاادان	271 قبل مسیح	پیغمبر حزقیاہ کی طرف سفیر روانہ کیا
سارگون	709 قبل مسیح	بادشاہ اسریا نے بابلون فتح کیا
میرودانخ بالاادان	703 قبل مسیح	بابلون کی بغاوت اور سناخریب کی فتح
سوسوب	696 قبل مسیح	بابلون نے بغاوت کی مگر کامیابی نہ ہوئی
ایسارحادون	680 قبل مسیح	اسریا پھر بابلون فتح کرتا ہے
نبوپلاسر	625 قبل مسیح	سلطنت اسریا تباہ ہوئی

جس وقت قوم مید غالب ہو رہی تھی۔ بابلون اور اسریا کی باہمی دوستی قائم تھی جب قوم سیس

کے حملے نے سلطنت اسریا کو ضعیف اور ناتواں بنا دیا تب بھی بابلون نے اسریا کی وفاداری میں ثابت قدمی ظاہر کی۔ مگر آخرکار وہاں ایک بغاوت ہو جانے پر شاہ اسریا نے اپنے سپہ سالار بنوپلسر کو وہاں امن بحال کرنے کے لئے روانہ کیا اور آخرکار اسے وہیں حاکم بنا کر رہنے دیا مگر اس سپہ سالار کے دل میں بے وفائی کا ارادہ پہلے ہی سے تھا۔ جونہی قوم مید نے طاقتور ہو کر اسریا پر حملہ کیا تو بنوپلاسر فوراً سازش میں شامل ہو گیا اور سیاکسارس کو کہنے لگا کہ اگر اپنی لڑکی آموہیا کی شادی میرے بیٹے بنوچدنذر سے کر دو تو میں تمہاری مدد کو تیار ہوں۔ بادشاہ مید نے بخوشی منظور کر لیا اور یوں سلطنت اسریا کو تباہی آئی اور بنوپلاسر تخت بابلون پر متمکن ہوا۔ بادشاہ سیاکسارس کی بھی ملک اسریا ہاتھ لگنے سے تسلی ہو گئی اور اس وقت سے بابلون اور میدیا میں دوستی قائم ہوئی۔ جیسا کہ ناظرین پڑھ چکے ہیں۔ بنوپلاسر کے بعد 591 قبل مسیح اس کا بیٹا بنوچدنذر تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کے عہد میں جہویایکم بادشاہ یہود نے شاہ مصر سے سازش کر کے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ بنوچدنذر فوراً فوج لے کر شہر یروشلم کو پہنچا۔ چونکہ مصر نے وقت پر مدد نہ دی اس لئے یہود کو اطاعت کرنی پڑی۔ مگر بنوچدنذر اسے سزا دیئے بغیر کب ٹلتا تھا۔ اس نے جہویایکم کو قتل کرا کے حقارت ظاہر کرنے کے لئے اسے گدھے کے ساتھ دفن کرایا۔ بنوچدنذر نے پہلے تو مقتول بادشاہ کے بیٹے جہویاخین کو تخت نشین کیا۔ مگر اس سے تھوڑے ہی عرصہ بعد بدظن ہو کر اس کے چچا زیدیکیہ کو بادشاہ قرار دیا۔ زیدیکیہ آٹھ سال تک تو خاموش رہا مگر آخرکار اس نے نوجوان شاہ مصر سے سازش کر کے بغاوت کی۔ اس دفعہ مصر کو بھی شکست ہوئی اور شہر یروشلم بھی فتح ہوا۔ بادشاہ بنوچدنذر تاریخ بابلون میں بہت مشہور ہے۔ کیونکہ اس نے شہر بابل کے گرد پچاس کروڑ مربع فٹ کی فصیل بنوائی اور ایک نیا محل تعمیر کیا۔ باغ معلق بھی اسی بادشاہ نے اپنی بیوی کی خاطر بنوایا تھا۔ اس بادشاہ نے بلوس کے مندر کی بھی مرمت کروائی اور زراعت کے لئے دریائے فرات کا پانی جمع کرنے کے لئے اس نے ایک سو چالیس میل لمبی اور ایک سو ہی فٹ چوڑی ایک جھیل کھدوائی اور کئی نہریں تیار کرائیں۔ شہر تیریدون اور بورسیا میں نبو کا مندر اور بغداد کے قریب دریائے فرات کے ساحل کی عمارت اسی بادشاہ کے زمانے کی یادگار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ نے ملک کے کسی حصہ کو تعمیرات سے خالی نہیں چھوڑا۔ بنوچدنذر سرکش، تندمزاج، دولت مند اور متقی بادشاہ تھا۔ کبھی تو وہ یہودیوں کے بتوں کو مانتا تھا اور کبھی اپنے ہی بتوں کی پرستش کو بہتر جانتا تھا۔ بنوچدنذر کو اپنی بیوی اموہیا سے بڑی محبت تھی۔ ایک رات بنوچدنذر نے ایک خواب پریشان دیکھا اور اس کی

تعبیر حضرت دانیال سے پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ تو یکا یک جنونی ہو جائے گا اور سات سال کاروبار سلطنت کے نا قابل رہے گا۔ ساتویں سال تمہیں صحت ہو جائے گی۔ حسب تعبیر چند روز میں بنوچدنذر پاگل ہو گیا اور برہنہ ہو کر خاک پر لیٹنے لگا۔ اس عرصہ میں ملکہ اموہیا نے انتظام سلطنت میں خلل نہ پڑنے دیا۔ سات سال کے بعد خود بخود بادشاہ کو صحت ہو گئی۔ بنوچدنذر نے اسی سال کی عمر میں 561 قبل مسیح قضا کی۔ اور اس کا بیٹا ایول میرو داخل تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ نے جہو یاضین کو قید سے آزاد کیا اور مذہب یہود کی طرف رغبت ظاہر کرنے لگا۔ مگر دو سال کے بعد اس کے برخلاف سازشیں ہونے لگیں۔ اور اس کے بہنوئی نری گلسر نے تخت پر قبضہ کر لیا اور 559 قبل مسیح سے 556 قبل مسیح تک حکمرانی کر کے فوت ہوا اور اس کے بعد اس کا بیٹا لابوردسوا خود تخت نشین ہوا۔ مگر چونکہ یہ بادشاہ نابالغ تھا۔ رعایا نے اسے قتل کر دیا اور اس طرح خاندان بنوپلا سرفنا ہو گیا اور ایک شخص نابونی درخوامی بادشاہ بنایا گیا۔ نابونی درخو کا باپ ایک عہدہ دار تھا۔ جسے اس زمانے میں رب ماگ کہتے تھے۔ یہ نام اگر لفظ ماک سے لیا گیا ہے تو اس کے معنی مجوسی ہیں۔ پس یہ عہدہ مذہب مجوسی کے پروہتوں سے متعلق ہو گا۔ 555 قبل مسیح یعنی اس بادشاہ کے تخت نشین ہوتے ہی اسے پیغام آیا کہ شاہ فارس کے حملہ سے خبردار رہے۔ اس خبر کے سنتے ہی اس نے فوراً ملک لیدیا کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا اور شاہ فارس کے مقابلے کے لئے تیاری شروع کر دی اور دریائے فرات کے تین دروازے وغیرہ بنوائے تا کہ دشمن ادھر سے شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ نابونی دوخو سد سکندری کی طرح دو دریاؤں کے درمیان ایک دیوار بھی بنائی تا کہ اس کی آڑ میں کھڑے رہ کر دشمن کا مقابلہ کر سکے۔ بادشاہ لیدیا نے احمقانہ طور پر سارس بادشاہ فارس سے جنگ شروع کر دی اور بابلون سے مدد پہنچنے کی انتظار نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارس نے شہر سار دیس یعنی دارالخلافہ ملک لیدیا کو فتح کر لیا اور شہر اکباتانہ کی طرف سے جنوب مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسا کہ اب بھی ایشیائی بادشاہوں کا حال ہے کہ فنون جنگ میں قابلیت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ نابونی دوخو شہر کے گردونواح کو مضبوط کر کے غافل ہو رہا کہ اب شہر کا انتظام مکمل ہو چکا ہے۔ جب سارس بابلون کا محاصرہ کرے گا تو دیکھا جائے گا۔ اگر نابونی دوخو بجائے بابل کے مضبوط کرنے کے سرحد پر مورچہ بندی کرتا اور سارس سے وہاں جا کر لڑتا تو سارس اگر دس گنا فوج لے کر آتا تو بھی اسے ملک کا فتح کرنا محال ہوتا۔ فن حرب جو آج کل یورپ میں رائج ہے۔ بیشک بہت اعلیٰ درجے کا ہے۔ جیسا کہ سال حال میں روم و یونان کی لڑائی میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یونان

نے فوراً سرحد پر فوج کو بھیج کر وہاں جا بجا مورچہ بندی کر دی۔ جب ترکوں نے ایک مقام فتح کر لیا تو وہاں سے بھاگ کر دوسرے مقام پر مورچہ بندی شروع کر دی۔ اس طرح سے ترکوں کو ایک سو پچاس میل کا فاصلہ طے کرنے میں کوئی چالیس لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اگر یونانی بھی ایشیائی طریقہ جنگ پر عمل کرتے اور ترکوں کا شہر ایتھنز میں انتظار کرتے تو ترکوں کو یونان فتح کرنے میں ایک دن سے زیادہ وقت خرچ نہ کرنا پڑتا۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ جوں ہی بادشاہ سارس اکباتانہ سے روانہ ہو کر آگے بڑھنے لگا ایک رتھ کا سفید گھوڑا ندی میں ڈوب گیا یہ گاڑی اہورامزدا کے نام سے تیار کی گئی تھی۔ سارس اس واقعے سے ایسا ناراض ہوا کہ اس نے فوج کو حکم دے دیا کہ اس دریا کو کاٹ کر تین سو ساٹھ حصوں میں تقسیم کر دو۔ بجائے جنگ پر بڑھنے کے سارس بیچارا ندی کو سزا دینے میں مصروف ہوا۔ اس کارروائی کے عملدرآمد میں نو مہینے کے قریب وقت صرف ہوا۔ جوں ہی بابل میں اس واقعے کی خبر پہنچی۔ سارس کی تد[illegible] پر ہر ایک کو ہنسی آئی۔ موسم بہار کے آغاز میں سارس آگے بڑھا۔ تابونی دوخو بھی فوج لے کر مقابلے کو آیا اور شہر بابلون کے باہر ایک جنگ عظیم بپا ہوئی۔ سارس کو فتح ہوئی۔ نابونی درخواس خیال سے کہ اگر اس نے شہر میں واپس جانے کی کوشش کی تو شاید دشمن بھی اس کا تعاقب کرتے کرتے اندر داخل ہو جائے سیدھا وہاں سے شہر بورسپا کو بھاگ گیا۔ نابونی دوخو کا بیٹا شہر بابل میں دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ یہ تو ہر ایک کو یقین تھا کہ شہر کی مضبوطی دشمن کو اندر نہیں آنے دے گی۔ ہر چند سارس نے کوشش کی مگر اس زبردست شہر کا فتح کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ اب اس نے آخری تدبیر پر عمل کرنے کا ارادہ کیا اور فوج کو حکم دے دیا کہ دریا کو کاٹ کر خشک کر دیں۔ اس کام میں وہ مشق تو کر ہی چکے تھے۔ انہوں نے بسرعت تمام دریا کو خشک کرنا شروع کر دیا۔ ادھر سارس کی فوج اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم تھی اور ادھر شہر کے اندر ایک نہایت عظیم الشان میلہ لگا ہوا تھا۔ تمام باشندگان شہر شراب پی پی کر بے خود ہو گئے تھے۔ سارس کی ابتدائی ناکامیوں نے ہر طرح کا خطرہ ان کے دل سے دور کر دیا تھا۔ تمام نشہ میں غل مچاتے اور گاتے بجاتے رہے۔ سارس نے بھی ادھر اپنے کام کی تکمیل کی اور دریا کے دروازوں کے راستے یکے بعد دیگرے سپاہیوں کو شہر میں داخل کرنا شروع کر دیا تھا۔ بے خبر اور غافل شہریوں پر یکایک برق شرربار کی طرح جا گرا اور قتل عام کرتے ہوئے محل شاہی میں پہنچا۔ جہاں شہزادہ کو بدکاری میں مشغول پایا اور قتل کر دیا۔ سارس شہر بابل کو فتح کر کے بورسپا کی طرف بڑھا۔ مگر نابونی دوخو نے بغیر جنگ کے اپنے تئیں شاہ فارس کے

حوالے کر دیا۔ سارس نے رحم کھا کر اس کی جان بخشی کی اور اسے صوبے کارمانیا کا حاکم مقرر کر دیا۔

ملک بابلون کا زول بادشاہ کی کم لیاقتی اور فنون حرب سے ناواقف ہونے کی وجہ سے واقع ہوا۔ اگر بنوچدنذرزندہ ہوتا تو فارسیوں کو کامیابی ہونی محال تھی۔ بابلون کی مضبوط اور بلند دیواریں اور عمیق دریائے فرات زبردست سے زبردست حملہ آوروں کو روک سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سارس نے ایک پیچ کھیلا تھا۔ مگر شاہِ بابلون نے بھی اس امر پر غور نہ کیا کہ ایک ذی شعور اور لائق بادشاہ کا مفت میں دریا کو سزا دینے میں نو مہینے گزار دینا حکمت سے خالی نہیں۔ مگر مصرعہ

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود

جو قوم یا ملک موجودہ تہذیب کا مداح بننا چاہیے اسے خالدین کو استاد ماننا لازمی ہے۔ وہ علوم جن کے لئے ہم یورپ کی اس قدر تعریف کرتے ہیں۔ ان کے ایجاد کرنے میں ایک لائق اور محنتی قوم نمرود کے وقت سے لے کر شہر بابل کی تباہی تک مشغول رہی ہے۔

تحریر، تعمیر، مذہب کا خیال، قانون، علم ریاضی، جغرافیہ، تاریخ آلات بہر حساب وقت، گرامر، نقاشی، کپڑے بننا، ستاروں اور چاند وغیرہ کی گردش کا قانون۔ دھاتوں وغیرہ کا صاف کر کے کام میں لانا الغرض جو جو اعلیٰ علوم آج کل ہندوستان اور یورپ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی سرزمین سے ایجاد ہو کر ملک ملک میں پھیلے ہیں۔

بابلونی لوگوں کی نام زبان عبرانی یا عربی سے مشابہ ہیں

نام	تشریح	معنی
بیل اپنی	بیل=خدا بانا=بنانا	بیل نے مجھے بنایا ہے
نابُو ناصر	نیبو=خدا نظر=حفاظت کرنا	نیبو میری حفاظت کرتا ہے
بنو ناہد	نیبو=ایک خدا نہد = برکت دیتا ہے	نیبو برکت دیتا ہے
نابو پل ازور	نیبو = ایک خدا پال یا بال = بیٹا نظر = حفاظت کرنا	نیبو بیٹے کی حفاظت کرتا ہے
نرگال سرازور	نرگال = ایک خدا سار = بادشاہ نظر = حفاظت کرنا	نرگال بادشاہ کی حفاظت کرتا ہے
میروداخ بالا دان	میروداخ =ایک خدا بال= بیٹا دان = دینا	میروداخ نے بھائی دیا ہے

نام	تشریح	معنی
ماروک اوین اخی	میروداخ = ایک خدا دان = دیا ہے اخی = بھائی	میروداخ نے بھائی دیا ہے
میروداخ نم اوان	میروداخ = ایک خدا نم = نام دان = دیا ہے	میروداخ نے نام دیا ہے
نبو بل نمی	نبو = ایک خدا بل = سردار نمی = جمع اسم	نبو ناموں کا سردار ہے
نبو زر اوان	نبو = خدا زر = تیم دان = دیا ہے	نبو نے اولاد دی ہے
بلتا سار از ور	بلتیس = ایک دیوی سات = بادشاہ نظر = حفاظت کرنا	بلتیس بادشاہ کی حفاظت کرتی ہے

باب پنجم

سلطنت فارس

بادشاہ سارس نے ملک بابلون کے فتح کرنے کے بعد ایک وسیع اور طاقتور سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جس کی تاریخ قدیم میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یوں تو سلطنت فارس دریائے ستلج سے لے کر ملک مصر تک پھیلتی تھی۔ مگر اردگرد کے ملکوں کے ازدیاد سے اسکا رقبہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ سلطنت فارس کے محکوم ملکوں کے نام بیان کئے جائیں۔ آسانی کے لئے ہم اسے تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(حصہ مشرق میں) ہرکانیہ۔ پارتھیا (یعنی پٹھانوں کا ملک)۔ آریا۔ خوارسمیا۔ سعدیانا۔ بخارا۔ سیستان۔ گندا ریا۔ ساتا گدیا۔ ہندوستان۔ پریکانیا۔ اتھوپیا۔ اور ماکیا۔

(وسط میں) فارس۔ سوسان۔ بابلون۔ اسریا۔ میدیا۔ ساحل بحیرہ کسپین۔ گارتیا۔

(مغربی حصہ میں) یونیا۔ تھریس۔ ایشیائے کوچک۔ آرمینیا۔ اسیریا۔ سریا۔ فونیشیا۔ فلسطین۔ مصر اور سرینکا۔

ناظرین کی آسانی کے لئے اگر یوں کہا جائے کہ اس زمانے میں فارسیوں کے قبضے میں ہندوستان، افغانستان، ایران، ترکستان، روم، یونان اور مصر کے املاک تھے تو آپ اس سلطنت عظیم کی وسعت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

چونکہ ایرانی شہر بنانے کے شوقین نہیں تھے اس لئے اس زمانے کے مشہور شہر جن کا مورخین قدیم ذکر کرتے تھے۔ صرف قصبے یا گاؤں تھے۔ پرسی پولس۔ پاسارگادی۔ کارمھان یعنی کرمان اور گابی اس زمانے کے مشہور شہروں میں سے ہیں البتہ فارس کے مقبوضات یعنی بابلون، اسریا وغیرہ میں بہت بڑے بڑے شہر جن کا حال ناظرین پڑھ چکے ہیں، ضرور موجود تھے۔ بلخ کو اس

زمان میں بلخ اسمرقند کو مار کندا ہرات و آریہ ایلٹ کو ٹکسالہ، دیار بکر کو امدا۔ اور تربیے زوند کو تر بنرس کہتے تھے۔ گو تمام ہندوستان اس وقت فارس کے قبضے میں نہ تھا تاہم پنجاب وغیرہ کے راجگان ضرور خراجگزار تھے اور یوں تو آریاؤں اس وقت تمام ہندوستان کے تو مالک ہی نہ تھے۔

قوم فارس اور میدو دونوں قریبی رشتے دار تھے اور دونوں آریہ نسل سے منسوب تھے۔ چنانچہ داراشاہ فارس آریہ ہونے کا فخر کرتا ہے۔ مگر درحقیقت آریاؤں کی وہ شاخ جو فارس میں مسکن پذیر ہوئی ہے دوسرے آریاؤں سے مختلف تھی اور آٹھویں صدی قبل مسیح بھی اسے بہت سی آریہ قوموں پر حکمرانی حاصل تھی۔ گو کتاب ژند میں نہ تو میدا اور نہ فارسیوں کا ذکر ہے مگر اس میں شک نہیں کہ دونوں قومیں آریاؤں میں بالاترین تھیں۔ جیسا کہ ان کے رسوم اور مذہب سے ثابت ہوتا ہے۔ مزید برآں آریا وایونیتی قدیمی مسکن قوم آریہ جس کا کتاب ژند میں ذکر ہے۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ معتقدان ژند آوست زیادہ تر آریا کہلانے کے مستحق ہیں اور ان کے قصے اور کہانیاں قدیمی مسکن کی نسبت اشارہ جو کرتی ہیں۔ وہ ضرور اس قدیمی ملک سے جہاں کہ آریا ابتدا میں رہتے تھے منسوب ہوں گے۔

قوم فارسی چالاک، طرار اور مذاق پسند تھی اور ان کے خیالات کی بلند پروازی فارسی نظم اور صنعت سے ٹپک رہی ہے۔ علم ملکی میں بھی وہ مدبر اور دوربین تھے۔ باوجود ان کے شعار کے دلچسپ ہونے کے ان میں ایک تصور ضرور پایا جاتا ہے اور جس سے افسوس ہے کہ ہندوستانی شعرا نے حال بھی خالی نہیں۔ یعنی طفلانہ ولولوں کی طرح ان کے شاعرانہ خیالات مضمون کو حقیقت سے دور لے جاتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ شاعری قوت خیال کی وسعت کا نتیجہ ہے اور خیالات کی بلند پروازی ایک ذرہ کو بھی صفات و خصائص کی ازدیاد سے مہر انور بنا دینا چاہتی ہے۔ مگر ہمیں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ حد اعتدال سے قدم باہر نہ پڑ جائے۔ خاک ناچیز کو ہم کتنا ہی رتبہ اعلیٰ دیں۔ ساتویں آسمان پر ہی کیوں نہ پہنچا دیں۔ مگر اس کا رشتہ کرۂ زمین سے توڑ دینا مناسب نہیں اور وہ لوگ جو آج کل انگریزی شاعری کی نقل کرتے ہیں۔ ان کی حالت پر مجھے سب سے زیادہ افسوس ہے کیونکہ انگریزی شاعری محض تاریخ نویسی ہے اور ایک تاریخ نویس کو شاعری سے وہی نسبت ہے جو ایک شیشہ شکستہ کو کان جواہرات سے ہو سکتی ہے۔ جیسے جو آٹا دال کا خوب حساب رکھ سکتے ہیں اور واقعات کے یاد رکھنے میں بھی ان کا قوت حافظہ بہت ہے۔ غالباً انگریزی شاعری میں اوروں سے زیادہ وہ بہر پاتیں گے۔ ظاہری واقعات تو ایک جانور یا ایک شاعر کی نظر میں یکساں ہیں

چشمان تو زیر ابروان اند
دندان تو جملہ در دہان اند

مگر ایک سچے شاعر کی نظر واقعات کی سطح پر ہی محدود نہیں رہتی۔ آنکھ سے بینائی اور بینائی سے خیال کا اندازہ لگاتا ہے۔ غم و غصہ فرحت و شادمانی وغیرہ وہ سب تغیرات مزاج کو معلوم کرنے کے لئے آنکھوں ہی کا مطالعہ کرتا ہے۔ اسباب سے نتائج اور نتائج سے اسباب تلاش کرتا ہے۔

من از گل باغ نجویم تو گل از باغ می جوئی من آتش از دہان جویم تو از آتش دخان جوئی

بادِ سحری اس کیلئے نئی نئی تصاویر کھینچ کر لاتی ہے اور رات کی تیرگی اسے نئے مضمون سکھاتی ہے۔

تعریف ترے آئنے کی زیب رقم کروں
پر اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں

الغرض شاعر غواص بحر واقعات ہے۔ جو اس ناپیدا کنار سمندر کی تہ کو پہنچ کر ایسے ایسے حکمت کے موتی نکال لاتا ہے جو اور کسی کو میسر نہیں۔ فلسفہ اس کی رگوں اور منطق اس کے دماغ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ بایں ہمہ اگر ہم اسے فلاسفر بھی کہیں تو بے انصافی ہے۔ کیونکہ فلاسفر کو قدرت واقعات کا جو مصالحہ بہم پہنچاتی ہے اس کے وہ ہمارے سامنے انبار لگا دیتا ہے اور ذرہ ذرہ کی تشریح و تفصیل سے ہمیں واقف کرتا ہے۔ مگر شاعر انہیں واقعات سے مصالحہ لے کر ایک عمارت بناتا ہے اور اپنی تمام طاقت اسی بات پر خرچ کرتا ہے کہ تراش خراش سے عمارت کی خوبصورتی دوبالا کر دے۔ شاعر نہ تو مؤرخ ہے اور نہ فلاسفر۔ کیونکہ نہ تو وہ مؤرخ کی طرح نابینا ہے اور نہ فلاسفر کی طرح تلخ زبان۔ مگر شاعر ان دونوں کے معلومات پر اپنی نازک خیالی اور شیریں زبانی سے نہایت خوبصورت اور عالی شان محل کی بنیاد ڈالتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل ایسے اعلیٰ شاعر بہت کم ہیں اور کم و بیش ہر قوم کے شاعر غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ انگریزی شاعر تو مؤرخ کہلانے چاہئیں اور ہندوستانی شاعر فلاسفر۔ گو ہندوستانی شاعروں کو نسبتاً [illegible] حاصل ہے۔ مگر شاعری اور فلسفہ مخلوط ہو نہیں سکتے۔ اگر شاعری زور کرے گی تو واقعات سے مخالف ہو جائے گی اور اشعار کو مجموعہ ہذیان بنا دے گی اور اگر فلسفہ نے زور کیا تو خوبصورتی ندارد۔ پس لازم ہے کہ شاعر تاریخ اور فلسفہ کے اصول سمجھ کر اپنے مطلب پرواز کو ان سے اوپر مقرر کریں۔ فلاسفر کی سی نظر دوربین رکھے۔ مضامین خوبصورت، خوبصورت واقعات، خوبصورت الفاظ غرض کہ کون و مکاں میں جو خوبصورتی اسے مل سکتی ہے اسے جمع کرے حسب ضرورت مرتب کرے اور مصور سب بدن کی

طرح اپنے خیالات کے الفاظ سے ایسی تصویر کھینچے کہ نکتہ فہم لوگ اس کی خوبصورتی پر عش عش کر جائیں مگر پیچیدگی پر نہیں۔

فارسی میدان جنگ میں نہایت بہادر اور قوی حوصلہ تھے۔جس زمانے میں انہوں نے فتوحات کا خیال کیا ہے۔تو کوئی مشرقی یا مغربی قوم تاب مقاومت لا نہیں سکی۔اور آخر میں یونانیوں سے مغلوب ہونا صرف ان کی سہولت پسندی اور فنون جنگ کے ترک کر دینے کا نتیجہ ہے۔اگر سکندر اعظم کی فوج قواعد دانی میں یگانہ نہ ہوتی تو ایشیا میں اس وقت قدم رکھنا محال تھا۔زمانۂ قدیم کے تمام شاہان فارس جنگ کے شوقین تھے اور ملک گیری اور سپاہ گری سے انہیں کبھی چین نہیں تھا۔ یونانی مؤرخین اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ فارسی نہایت راست باز اور صاف دل لوگ تھے۔باقی مؤرخ بھی یہی کہتے ہیں کہ شہسواری، تیراندازی اور صداقت میں یہ قوم بےنظیر تھی۔ قرض داری، خرید و فروخت الغرض ہر ایک بات جس میں جھوٹ کو دخل ہو سکے انہیں ناپسند تھا اور ہندوستانیوں کی طرح نسل آریہ کے لئے باعث شرم نہ تھے۔اپنے دل کی حالت کو بھی مخفی رکھنا وہ خطا سمجھتے تھے اور نہایت سادگی سے غم و شادی کا اظہار کر دیتے تھے۔بادشاہ کی تعظیم و تکریم ہر ایک کے دل میں نقش تھی۔اگر بادشاہ قتل کا حکم بھی دے دیتے تھے تو بخوشی سر تسلیم جھکا دیتے تھے۔

سپاہی کرتہ اور پاجامہ چمڑے کا پہنا کرتے تھے اور ان میں مدور ٹوپیوں کا رواج تھا۔میدان جنگ میں تیر و کمان، خنجر اور کلہاڑی سے کام لیتے تھے، زرہ کا بھی استعمال تھا۔ابتدائی زمانے میں رسالہ کی بھی وردی پیادہ فوج کی طرح تھی۔مگر سارس کے زمانے میں ان کی حفاظت کے لئے خود اور زرہ بنائے گئے۔حتیٰ کہ گھوڑوں پر بھی زرہ ڈالنے لگے۔ورزش جسمانی فارسیوں میں بہت عام تھی۔شہسواری اعلیٰ درجے کا ہنر سمجھا جاتا تھا۔ایرانیوں کی رتھیں قوم اسرین کی نسبت زیادہ بلند تھیں جن میں سپاہیوں کا قریباً آدھا جسم پوشیدہ رہتا تھا۔ایسی رتھوں میں زرہ بکتر پہنے چار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔میدان جنگ میں صف آرائی یوں ہوتی تھی کہ بہلیاں سب سے پہلے اور بہادر سے بہادر سپاہی اطراف پر کھڑے کئے جاتے تھے۔ان بہادر سپاہیوں کا ایک دستہ جنگ شروع کرنے کے لئے آگے بڑھتا تھا۔ڈھالیں لگا کر زمین پر بیٹھ جاتے تھے اور تیر پھینکنے شروع کر دیتے تھے۔ اگر دشمن آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا تو رسالہ کو اس کے روکنے کے لئے روانہ کر دیتے تھے لیکن عموماً جب فوج کا پہلا حصہ حوصلہ ہار دیتا تھا تو سارے لشکر کا دل ٹوٹ جاتا تھا۔

فارسیوں کی اکثر فتوحات ان کی سپاہ کی تعداد کی وجہ سے تھیں۔گو ان کا رسالہ اس زمانے میں

ایسا ہی مشہور تھا۔ جیسے آج کل سپاہ روم کے باشی بزک تمام یورپ میں لا ثانی ہیں۔ مگر فنون جنگ میں نہوں نے کچھ ترقیاں نہیں کی تھیں۔ تمام فوج میں صرف ایک ہی سپہ سالار ہوتا تھا۔ جس کے ماتحت ہزاروں چھوٹے افسر ہوتے تھے۔ مگر ان کا اختیار صرف دس سپاہیوں ہی تک محدود تھا کیونکہ کبھی اس فوج کی تعداد دس لاکھ تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ سپہ سالار ہمیشہ فوج کے وسط میں رہا کرتا تھا۔ ہر ایک ملک اور فرقہ کے سپاہی اپنا اپنا قومی لباس پہنتے تھے۔ فارسی اور مید چمکتا ہوا زرہ پہنتے تھے۔ عرب پشمینے کے کرتے، بربر چمڑے کے کپڑے اور ہندوستانی روئی کے کپڑے پہنے ہوئے نظر آتے تھے۔ فارسیوں کے اسلحہ جنگ وغیرہ ملک یونان اور فونیشیا کے کارخانوں میں تیار ہو کر آتے تھے۔ جنگ ہمیشہ موسم بہار میں شروع ہوا کرتی تھی۔ ایک ہزار سپاہی آگے چلتے تھے۔ انہیں بادشاہ اور مذہب کے محافظ کہا جاتا تھا اور آتش کدہ جو فوج کے ہمراہ جاتا تھا۔ انہی کے قبضے میں رہتا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ خلعت پہنے نہایت خوبصورت گاڑی پر سوار نظر آتا تھا اور ایک ہزار سوار حفاظت کے لئے اس کے اردگرد ہوتے تھے۔ غلہ وغیرہ کی بہت سی تعداد ہمراہ لے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایام حکومت میں فارسیوں نے رسد کے انتظام میں صرف ایک ہی دفعہ غفلت کی ہے یعنی جب بادشاہ کمبائی سس نے ملک فونیشیا پر حملہ کیا تھا۔ فارسی مغلوبوں پر رحم کھاتے تھے اور مفتوح بادشاہوں کو حکمران رہنے دیتے تھے اور انہیں اپنے ہم نشینوں میں شمار کرتے تھے۔ باغیوں پر اکثر سختی روا رکھتے تھے۔ جرم کے ثابت ہونے پر مصلوب کیا جاتا تھا۔ فارسی جہاز رانی کے شوقین تھے۔ ان کے زمانے کے اعلیٰ ترین جہاز باشندگان کورنتھ کے ایجاد سے تھے۔ ان میں دوسو ملاح اور تیس سپاہی رہتے تھے۔ علاؤہ اس قسم کے اور طرح کے بھی جہاز موجود تھے۔ مگر ان کی بحری لڑائیاں بڑی سادہ طرح کی تھیں کیونکہ ان میں کامیابی ہمیشہ شمار و تعداد پر منحصر ہوتی تھی۔ اکثر ملاحوں کو تیرنا ہی نہیں آتا تھا۔ شاہان فارس میدیا کے بادشاہوں کی طرح ریشمی اور طلائی کام کے پوشاک پہنتے تھے اور ان کی خوبصورتی پر زر بے شمار خرچ کرتے تھے۔ سونے کا عصا بادشاہ کے ہاتھ میں اکثر رہا کرتا تھا۔ راجگان ہند کی طرح چھتر کا بھی استعمال تھا۔ تخت شاہی خالص سونے سے بنائے جاتے تھے۔ بادشاہ کے اعلیٰ ملازم حسب ذیل ہوتے تھے۔

افسر باورچی خانہ، افسر اصطبل، خواجہ سرا، خوراک کو چکھنے والا حکیم، پیغامبر جو غیروں کو اس کے دربار میں حاضر کرتے تھے۔ منشی جو بادشاہ کے احکام اور حساب و کتاب کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ ساقی، رقاص اور گویئے اور ایک خواص جو خواب گاہ میں اس کے ہمراہ جاتا تھا۔ ہر روز بادشاہ کے محل میں

پندرہ ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے۔علاوہ بہت سے شکار کردہ جانوروں کے ایک ہزار بیل ذبح کئے جاتے تھے۔بادشاہ عموماً اکیلا کھانا کھاتا تھا۔مگر گاہے گاہے زمانہ قدیم میں ملکہ اور شہزادے بھی شامل کر لئے جاتے تھے۔بادشاہ سنہری چارپائی پر بیٹھتا تھا اور باقی لوگ فرش پر۔زمانہ قدیم میں شاہان فارس دو تین بیویوں اور چند کنیزوں پر اکتفا کرتے تھے۔بیویوں میں سے صرف ایک ملکہ کہلاتی تھی اور تاج بھی پہنتی تھی۔کنیزوں پر واجب ہوتا تھا کہ ملکہ کے سامنے سجدہ کریں۔ملکہ کو بہت سی آزادی حاصل تھی۔بیویوں کے لئے علیحدہ علیحدہ محل اور بہت سے نوکر رکھے جاتے تھے۔مگر کنیزوں کو باری باری بادشاہ کے خواب گاہ کو جانا پڑتا تھا۔جب بادشاہ اور ملکہ کھانے بیٹھتے تھے تو کنزیں گا بجا کر انہیں خوش کرتی تھیں۔ملک کے تمام حصوں سے خوبصورت عورتیں منتخب کر کے حرم سرا میں داخل کی جاتی تھیں۔کیونکہ عموماً بلا خاص توجہ کے کوئی عورت بادشاہ سے ایک دفعہ سے زیادہ ہم بستری کر نہیں سکتی تھی۔محل سوزا کے حرم سرا میں تین حصے تھے۔ایک حصے میں کنواری لڑکیاں، دوسرے میں کنیزیں اور تیسرے میں خاص بی بیاں رہتی تھیں۔رفتہ رفتہ حرم سرائے کی تعداد بڑھتی گئی اور جیسا کہ یہ اصول ہر ایک قوم میں بیخ کنی کا باعث ہوا ہے۔سلطنت فارس کے زوال کا باعث ہوا۔بادشاہ ہر طرح سے اپنی والدہ کی عزت کرتا تھا اور اسے بہت سے اختیارات حاصل تھے۔حرم سرا میں سوائے خواجہ سرا کے اور کوئی جا نہیں سکتا تھا۔

رفتہ رفتہ خواجہ سراؤں کی تعداد بڑھتی گئی۔کیونکہ بادشاہوں نے انہیں سپہ سالاری، مشارت، اتالیقی شہزادگان کے عہدے بھی دینے شروع کر دیئے اور انہی بری رسومات نے فارس کے چراغ حکومت کو پیش از وقت گل کر دیا۔دارا کے وقت اخیمندے قوم کے سات شاہزادوں کو بہت بڑا اختیار حاصل تھا۔وجہ اس کی یہ تھی کہ بادشاہ انہی سات شہزادوں کے خاندان سے بیویاں پسند کیا کرتا تھا۔

حاضرین دربار کے لئے لازمی تھا کہ ان کے ہاتھ آستینوں میں چھپے رہیں۔محل شاہی میں داخل ہوتے ہوئے کوئی قالین پر چل پھر نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ صرف بادشاہ کے لئے مختص تھا۔بلا اجازت دربار شاہی میں داخل ہونے کی سزا قتل تھی۔اگر بادشاہ چاہے تو معاف بھی کر سکتا تھا اور اس کی نشانی یہ تھی کہ بادشاہ اپنے زریں عصا کو اٹھا کر خواص کی طرف اشارہ کر دیتا تھا۔تخت شاہی پر بیٹھنا یا شاہی لباس کو پہننا بھی ویسا ہی خیال کیا جاتا تھا۔بادشاہ کو بھی ویسے ہی سخت قوانین پر پابندی کرنی پڑتی تھی۔اسے خلوت میں رہنا اور اکثر اوقات تنہا کھانا لازمی تھا۔محل کی دیواروں

سے باہر نہ جائے۔ جو حکم ایک دفعہ دے دے وہ خواہ اس میں کتنا ہی نقصان ہو، اسے پورا کرے۔ گو شاہان فارس ہمیشہ شکار کھیلا کرتے تھے مگر چوپڑ کا بھی انہیں از حد شوق تھا۔ جس میں صرف نہایت قریبی رشتہ دار ہی بادشاہ کے ساتھ شامل ہو سکتے تھے۔ کبھی کبھی ایک ایک بازی پر ڈھیر ا لاکھ کی شرط لگائی جاتی تھی۔

کتابی تعلیم کا بادشاہ کو بالکل خیال نہ تھا۔ تاریخ قدیم کو پڑھوا کر سنتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا کام منشیوں کے سپرد تھا۔ حتیٰ کہ بادشاہ دستخط تک نہیں کرتا تھا۔ صرف اس کی مہر کافی تھی۔ دربار منعقد کرنا، لشکروں کا ملاحظہ، استمتاع، استغاثہ، تقسیم انعامات اور اعیان سلطنت پر حکم صادر کرنا بادشاہ کے فرائض منصبی تھے۔

زمانہ قدیم کے فارسی دس فرقوں پر منقسم تھے۔ جن میں سے چار تو گذریے (مویشی چرانے والے) تھے۔ مثلاً ڈائے، مردئے، دروپسی اور سگارتی تین زراعت پیشہ تھے۔ یعنی پنتھیا کی، درولسی اور کرمانی۔ باقی تین فرقے زمیندار اور حاکم کہلاتے تھے۔ ہر پیشہ کے غریب لوگوں کا لباس چمڑے کا ہوتا تھا۔ جس کا ذکر سپاہیوں کے بیان میں ہو چکا ہے۔ جوتیاں نہایت خوبصورت بنائی جاتی تھیں اور دستانوں اور جرابوں کا بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ فارسی زیور کے بھی بڑے شوقین تھے امیر لوگ سونے کے ہار، کڑے اور بالیاں بھی پہنتے تھے اور ان کے گھروں کا سامان تکلف تو نہایت ہی اعلیٰ درجے کا تھا۔ سونے چاندی کی میزیں اور برتن گھروں کو رشک جنت بنا دیتے تھے۔ مگر کھانے پینے میں بڑی سادگی تھی۔ بکریاں، گھوڑے، گدھے اور اونٹ یکساں پکائے اور کھائے جاتے تھے۔ اخلاق کا سیکھنا امیر سے لے کر غریب تک کو لازم تھا۔ غریب لوگ امیروں کے سامنے سلام کے بجائے سجدہ کرتے تھے۔ برابری کے لوگ ایک دوسرے کا بوسہ لیتے تھے اور اگر درجہ میں کم وبیش فرق ہوتا تھا۔ تو صرف کانوں پر ہی بوسہ دے دیتے تھے۔ مستورات حرم سرائیں بند رہتی تھیں اور سوائے خاوند، بیٹوں یا خواجہ سرا کے اور کسی کا منہ دیکھنا انہیں ممکن نہ تھا۔ کنیزوں کو زیادہ آزادی ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ مالک کے مہمانوں کے سامنے ناچتی اور گاتی بھی تھیں۔

فارسی اپنے بچوں کی تعداد کی زیادتی پر فخر کرتے تھے۔ ملکہ انگلستان بھی اس عورت کو جو ایک ہی دفعہ تین بچے جنتی ہے، پانچ پونڈ انعام دیتی ہے۔ الغرض انگلستان میں بھی کثرت اولاد میں سخت ترقیاں ہو رہی ہیں۔ یورک شائر کے ضلع میں ایک انگریز عورت نے بیالیس بچے جنے تھے۔ سن کر عقل حیران ہوتی ہے۔ مگر یہ بات انگلستان میں غیر معمولی نہیں۔ ہزاروں عورتیں متواتر تین

تین بچے جنتی ہیں اور جوڑا تو وہاں ایسا عام ہے جیسے کہ ایک بچے کا جننا فرانس میں۔ بظاہر انگریز اس بات کا فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے کثرت اولاد میں ان لوگوں کو بھی مات کر دیا ہے جو ایک سے زیادہ عورات سے شادی کرتے ہیں۔ مگر حکمائے یورپ اس بات کو بہت برا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ترقی نسل کو خراب کر دیتی ہے۔ اگر جسمانی نہیں تو کم سے کم اولاد کی دماغی طاقتیں ہرگز عمدہ نہیں ہوتیں۔

زنان بار دارائے مرد ہشیار اگر وقت ولادت مار زائند

ازان خوشتر بود نزد خردمند کہ فرزندانِ ناہموار زائند

اس میں اور خرابی یہ ہے کہ والدین بچوں کی تعلیم کے اخراج برداشت کر نہیں سکتے۔ میں نے ہزاروں ذی عزت انگریزوں کے بیٹوں کو دکانوں میں نوکری کرتے دیکھا ہے۔ چنانچہ ایک وکیل کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں جن کی عمر پندرہ سال سے لے کر پچیس سال تک ہوگی۔ سب دکانوں میں نوکر تھے۔ ان میں سے کسی کو انگریزی الفاظ کے ہجے تک کرنے نہیں آتے تھے۔ ان کے باپ کی آمدنی سو روپیہ ہفتہ وار سے کسی صورت میں کم نہ ہوگی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ انگریزوں کے مقبوضات بے شمار ہیں۔ گنجائش بھی بے حد ہے۔ پس وہ اس ارادے کو پورا کرنے کے لئے کہ وہاں انگریزوں کو آباد کریں نہایت سرعت اور تیزی سے اولاد کو بڑھا رہے ہیں اور ان کے خر مغز اور بے عقل ہونے سے نقصان ہی کیا ہے۔ انگریز تو ہوں گے۔

فارسی کثیر التعداد بچوں کے باپ کو انعام دیتے تھے۔ بچہ پانچ سال تک عورتوں کی حفاظت میں رہتا تھا۔ اس عرصے کے بعد اس کی تعلیم نہایت احتیاط سے شروع ہو جاتی تھی۔ تیراندازی کرنا اور دوڑتے ہوئے گوپیا پھینکنا (یعنی کلوخ اندازی کرنا) اسے روزانہ علی الصبح سیکھنا پڑتا تھا۔ سات سال کی عمر میں اسے سواری اور شکار کھیلنا سکھایا جاتا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں اسے جوان تصور کر کے فوج میں داخل کر لیتے تھے اور برابر پچاس سال کی عمر تک اسے سپاہی رہنا پڑتا تھا۔ اعلیٰ درجے کے لوگ بادشاہ کے محافظوں میں شامل کر لئے جاتے تھے۔ چونکہ زراعت مذہب زرتشت کی بموجب ایک مقدس پیشہ تھا۔ اس لئے آبادی کا کچھ حصہ اس میں مصروف ہو جاتا تھا اور باقی سپاہی ہو کر جابجا مقبوضات میں سرکاری خدمت کے لئے روانہ ہو جاتے تھے۔

فارسی جوں جوں عیش و عشرت کے شوقین ہوتے گئے۔ رسومات بد اُن میں پھیلنے لگیں۔ بالوں کو گنڈی دار بنانا، مصنوعی بال پہننا اور اس قسم کی ہزاروں اور واہیات رسمیں لوگوں نے اختیار

کرلیں۔ بعض تنگ خلائق ہندوستانیوں کی طرح سے قوت باہ کے نسخوں کی از حد قدر کرنے لگے۔ خدا نے تو انہیں اشرف المخلوقات پیدا کیا تھا۔ مگر حیف صد حیف کہ وہ حیوانی طاقتیں حاصل کرنے کے لئے کوشش اور توجہ کو صرف کرنے لگے۔

بریں عقل و ہمت بباید گریست

عورتوں کے لئے کوئی کام وغیرہ کرنا باعث شرم تھا اور نکمے بے فکر شہوانی خیالات کے سوا اور کسی بات کی ان کو سوجھتی نہ ہوگی۔ بناوٹ اور آرائش کے لئے علیحدہ علیحدہ نوکر تھے۔ عیش وعشرت کے بڑھانے کے لئے نت نئی ایجادیں ہوتی تھیں۔ سلانے کے لئے الگ اور جگانے کے لئے الگ نوکر تھے۔ چال چلن کا حال روز بروز بگڑنے لگا۔ لواطت انہوں نے یونانیوں سے سیکھی اور بلیتس کے مندر میں معصیت کرنا جس کا پیشتر ذکر ہو چکا ہے انہوں نے قوم اسرین سے سیکھا۔ تکبر قوم کو عاصی بناتا ہے اور عصیان قوم کی تباہی لاتا ہے۔ ایک زمانے میں فارسی دنیا کی تمام قوموں سے ابتر تھے۔ ایشیا کا بہت سا حصہ ان کے قبضے میں تھا اور یورپ اور افریقہ کے عمدہ ترین املاک ان کے باجگزار تھے۔ اس بے مثال کامیابی نے ان کے دل میں تکبر پیدا کیا اور تکبر کے طفیل بجائے ترقی کے روبہ تنزل ہو گئے اور طرح طرح کی بدکاریاں تو زوال کے وقت قومیں سیکھ ہی لیتی ہیں۔ بادشاہوں کا ظلم اور قہر بڑھنے لگا۔ ان کے ہم پیالہ شہوت پرستی کے استاد تھے۔ جسے اپنے کام میں مخل پاتے، بادشاہ کو کہہ کر اس کا سر قلم کروا دیتے۔ امیر غریب غرض کہ ہر شخص اس بات سے ترساں تھا کہ کہیں بادشاہ کے ناوک قہر کا نشانہ ہوا۔ تو اس عیش وعشرت کو چھوڑ جانا پڑے گا۔ پس بدکاری کا جو کچھ موقع ملتا تھا خالی جانے نہیں دیتے تھے۔ الغرض تمام رعایا اور بادشاہ معصیت میں مصروف تھے۔ بادشاہ کی والدہ اور اس کی بی بیاں دن رات جوڑ توڑ میں مشغول تھیں۔ اپنے دشمنوں کو قتل کرا دینے کے لئے ہزاروں مکروفریب کرتی تھیں۔ جس کسی کا حسد ان کے دل میں گھر جاتا تھا اسے طرح طرح کے عذاب دیتی تھیں۔ زمین میں آدھا جسم گاڑ کر پتھروں سے مروانا، راکھ میں زندہ مدفون کر دینا، زبان کو پکڑ کر حلق سے کھنچوا کر نکال دیا، چمڑی اتار کر مظلوم کو دار پر چڑھانا اور سب سے زیادہ شرمناک طریقہ یہ تھا کہ انسان کو دو کشتیوں کے درمیان یوں باندھتے تھے کہ اس کا سر اوپر رہتا تھا اور کشتیوں کو دریا میں چھوڑ دیتے تھے۔ اس سزا سے مظلوموں کو جو عذاب ہوتا تھا حیطۂ تحریر سے بیرون ہے۔ کبھی کبھی مردہ بیچارے سترہ روز تک زندہ رہتے تھے۔ اللہ رے تغیر۔ ایک تو وہ زمانہ تھا کہ فارسی جنگ کے وقت دشمن پر رحم کھا کر اسے رہا کر دیتے، قیدیوں کی

جان بخشی کر دیتے تھے اور کسی قسم کا عذاب دینا انہیں گوارا نہیں تھا اور پھر زوال کے وقت وہ ایسے سنگدل ہو گئے کہ ذرا سی خطا پر سزائے قتل حکم عام ہو گیا اور عذاب مظلوموں کے لئے ایسے ایسے طریقے اختیار کئے کہ لا حول ولا۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

قوم فارسی کی زبان کیا تھی

زمانہ قدیم کی فارسی، ژند اور سنسکرت سے رشتہ تعلق رکھتی تھی اور اس کی مشابہت یورپ کی قدیم زبانوں سے زیادہ ہے۔ مثلاً باپ کو قدیمی فارسی میں پتا کہتے تھے، ژند میں پتر، لاطینی میں پیتر۔ زبان گوتھ میں فادر اور جرمن میں فاتر کہتے ہیں۔ لفظ نام ژند اور سنسکرت کی طرح قدیم فارسی میں نام تھا۔ اسے لاطین میں لومن اور جرمن میں نائمے کہتے ہیں۔ قدیم فارسی میں آدمی کو مارتیا کہتے تھے۔ یہی لفظ زبان لاطین میں موتالس اور انگریزی میں مورٹل ہے۔ گھوڑے کو قدیم فارسی میں ژند کی طرح اسپہ کہتے تھے۔ یہی لفظ سنسکرت میں اسوا اور ویلز کی زبان میں اوسوا اور زبان لاطین میں اکواس ہے۔

مندرجہ ذیل فہرست میں قدیم فارسی کے چند الفاظ کا دیگر مشہور زبانوں سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ الفاظ کا ماخذ معلوم ہونا علم زبان دانی میں بہت مدد دیتا ہے۔

فارسی قدیم	موجودہ فارسی	اردو میں ترجمہ	سنسکرت	ژند	لاطین	جرمن	انگریزی
آج		چلانا۔آنا	آج	آز			ایکٹ
آپی	آب	پانی	آپ	آپ	آکوا	آوَ	آو(قدیمی انگریزی)
آمیا	آم	میں ہوں	آسمی	آہمی	سم	ان	آیم
بد	بندیدین بند	بدھنا۔ باندھنا	باندھ	بلند		بندن	بائنڈ
بر	برون	اٹھانابار	بھری	بیرے	میزے	فیوہرلی	بیر
بومی	بوم	ملک۔ زمین	بھومی	بومی	ہیومی		
براتر	برددر	بھائی	بھراتر	بُراتر	فراتر	بُرودر	بُرَدَر
ستا	ستادن	کھڑے ہونا	ستھا	ستا	ستو	شتے ہن	اسٹینڈ
دا	دادن	دینا	دھا	دا	دارے		
دارش		جرأت کرنا		دارس	اودیر	ڈلوفن	ڈیر
دُردارا	در	دروازہ	دورا	دوارا		تھیور	ڈور
دودتیا	دو	دو	دوتیا	بتیار	دو	سورے تے	ٹو
فراتما	پیشترین	پہلا	پراتھما	فراتھما	پریم	فرس	فرسٹ
گرم	گرم	گرم		گھریمو		وارم	وارم
گرب	گرفتن	پکڑنا۔ گرفت	گربھ	گربو	راپن	گرایفن	گریپ
گوش	گوش	کان		گوشا			گیل
گب	گفتن	کہنا۔گپ	گپ				

فارسی قدیم	موجودہ فارسی	اردو میں ترجمہ	سنسکرت	ژند	لاطین	جرمن	انگریزی
ہما	ہمہ	تمام		ہما			
جن	زن	مارنا	ہن	زن			
جیو	زیستن	جینا	جیو	جیو	ویود		
کا	کہ	کون	کا	کا	کی		
مام	من	میں	مام	منم	مے	مِش	می
مان	ماندن	انتظار کرنا	مان	مان	مانس		
مر	مُردن	مرنا	مری	میری	موریور		
متر	مادر	ماں	ماتر	ماتر	ماتر	مُتر	مَدر
ماہا	ماہ	مہینہ	ماس	ماؤگھا	منسے	مونات	منتھ
نا	بینی	ناس۔ ناک	ناسا	ناؤگھا	ناسس	نازے	نوز
پنت	ناوا	بھتیجا	پنات	ناپو	پنوس	نفے	نفیو
نواما	نہم	نواں	نواما	ناوَما	نودم	مائن تے	نانتھ
ناوی	ناوَ	کشتی۔ناوَ	ناوَس	نادیا	نادیس	ناخو	نیوی
نیا	نا۔نہ	نہ۔نہیں	نا۔نہ	ییندھا	نے	نشت	نے
پاد	پاء	پاؤں	پادا	پادھا	پیدم		
پاسا	پس	پس۔پھر		پسکت	پوست		
پاتھی		راستہ	پنتھن	پاتھا	پونس	پھاد	پھاتھ
راستہ	راست	دایاں	راج	راز	ایکنوس	شتنگ	رائٹ
شم		اوسے	ہم	ہم		این	ہم
ترس	ترس	ڈرنا	ترس	ترلیں	تریمو		ٹریمبل
تگھرا	تیر	تیر	تگما	تگھرا			ڈیگر

فارسی قدیم	موجودہ فارسی	اردو میں ترجمہ	سنسکرت	ژند	لاطین	جرمن	انگریزی
توما	تخم	تخم۔نسل	تاما	توخا	ستمنا	ستام	سٹم
تھا	تخن	بات۔کہنا	ساس	ساگھ		ساگن	سے
تریتا		تیسرا	تریتا	تھریتا	ٹرتس	وری تے	تھرڈ
ٹودم	تو	تم	توام	تم	تو	ٹو	داؤ
اُوتا	د	اور	اُوتا	اُوتا	اینت	اُند	اینڈ

قدیمی فارسیوں کی طرزتحریر قوم میدکی طرح تھی۔ ہرایک کے بعدوہ (۲) ایک قسم کی علامت بنادیتے تھے تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہوجائے کہ لفظ ختم ہوگیا ہے۔ اس قوم کے کتبے ہمیں سارس کے زمانے سے لے کر کوئی دوسوسال بعد تک ملے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس مختصر زمانے میں بھی تحریروتقریر میں بہت تغیرات واقع ہوگئے تھے۔ سینیاس ایک یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ اس زمانے میں پتھر کے علاوہ چمڑا اور کپڑا بھی لکھنے کے لئے مستعمل تھا۔ لوگ خیال کیا کرتے تھے کہ پہلوی طرزتحریر سے قدیمی فارسی تحریر کا کچھ کھوج ملتا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ پہلوی طرزتحریر قوم سمیت کی ایجاد ہے۔ قدیمی طرزتحریر اردشیر بابکان کے وقت سے پہلے ہی متروک ہوچکی تھی۔

فارس کی قدیم عمارت

یونانی مؤرخین نے جہاں کہیں فارسیوں کی تغیرات کا ذکر کیا ہے ان کے بیانات حسد سے خالی نہیں۔ ہیروڈوٹس نے اسریا میں تو دوسال خرچ کردیئے مگر اس نے شہر پرسے پولس کے کھنڈرات کو دیکھنے کا خیال کیا۔ الغرض معلوم ہوتا ہے کہ کسی مؤرخ نے بھی منصف مزاجی سے فارسی عمارات کا ذکر نہیں کیا۔ سترہویں صدی میں جبکہ یورپ کے سیاح فارس کے قدیمی دارالخلافہ تک آنے جانے لگے تو اس قدیمی شہر کے کھنڈرات کو دیکھ کر ان کی عقل گم ہوگئی فارسی علم تعمیر میں قوم اسرین کے شاگرد تھے۔ پس کیا ایسے لائق وفائق استاد کا ایک ہونہار شاگرد اتنا ہی ناقابل ہوسکتا ہے کہ اپنے ہمسایہ ملکوں کی عمارات کا مقابلہ نہ کرسکے۔ بیرن ٹکسی اے کی سرگرم کوششوں نے سب سے اول فارس کی قدیم عمارتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس عالی دماغ شخص نے بال کی کھال

نکال کر کھنڈرات کے ذریعے سے پرانی عمارات کا کھوج نکالا۔ اگر اسکندر اعظم جاہلانہ طور پر شہر پرسی پولس کے محل کو نہ جلا دیتا تو آج سیاحوں کی دید کے لئے ایک نہایت دلچسپ مقام موجود ہوتا۔ شہر پرسی پولس میں تین عمارتیں قابل دید ہیں۔ بادشاہ دارا اور سرکسس کے محل اور عظیم الشان آتش کدہ۔ اور شاہان قدیم کے مقبرے سارس کا مزار نہایت خوبصورت اور قدیمی ہے۔ یہ سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ سارس ایک سنہری صندوق میں ڈال کر دفن کیا گیا تھا۔

فارسیوں کی عمارات میں یہ بڑی خوبی ہے کہ یکسانیت اور اعتدال جا بجا برستا ہے۔ دروازے کو دیوار اور دیوار کو مکان اور کمرے سے مناسبت ہے۔ بعض بعض جگہ ایک مکان کے دو حصے ایسے مشابہ بنائے ہیں کہ ان میں انچ بھر کا بھی فرق نہیں۔ اینٹوں کے بجائے بڑے قوی ہیکل پتھر استعمال کئے جاتے تھے۔ تعجب آتا ہے کہ اس زمانے میں یہ وزنی پتھر کیونکر ان بلند عمارتوں پر پہنچائے گئے ہوں گے۔ عمارتوں کی بلندی میں نقص ضرور ہے۔ مصر اور یونان کی طرح چھت کی بلندی کم ہے جب تک لوگوں کو محراب دار عمارات کا بنانا معلوم نہ تھا، چھتوں کا بلند رکھنا ناممکن تھا۔ بعض جگہ دو منزلہ مکان نظر آتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ علم تعمیر میں کامل نہ تھے اس لئے خاطر خواہ مکانوں کو بنا نہیں سکے۔

یونانی جنہوں نے یورپ میں علم تعمیر کی بدولت اس قدر ناموری حاصل کی ہے، فارسیوں کے نقال ہیں۔ جو فارسی اور یونانی عمارتوں کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ یونانیوں نے تواریخ میں فارسیوں کے علم تعمیر کی تعریف نہ کرنے اور اپنی عمارات کو کسی قدر متغیر کرنے سے ہر چند نقال کہلانے کے جرم سے بری ہونے کی کوشش کی ہے۔ مگر چشم دوربین سے یہ باتیں مخفی نہیں رہ سکتیں۔ فارسیوں کی تعمیرات کی ابتدا قوم میڈ کے وقت سے ہوئی ہے۔ جنہوں نے پتھر کے شہتیروں پر مکانات کا بنانا شروع کیا تھا اور رفتہ رفتہ انہوں نے قوم بابلونی اور اسرین سے مختلف وسائل تعمیر کو سیکھ کر بجائے ہو بہو ویسے مکانات بنانے کے انہوں نے اپنے قدیمی طریقے میں اصلاحیں کیں۔ عمارتیں سادہ تھیں۔ نقش و نگار صرف بیرونی حصوں پر ہی نظر آتا ہے۔ مگر مناسبت اور یکسانیت کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے۔ چونکہ ملک میڈیا طرح طرح کے پتھروں سے پُر ہے۔ اس لئے قدرتاً قوم میڈ نے سنگ تراشی میں بھی خاصی ترقی کی اور جب فارسی غلبے میں آئے تو انہوں نے اپنے ہم قوم میڈ سے اس فن کو سیکھ کر اور بھی ترقی کی۔ قدیم زمانے کی بعض عمارتیں جو ایران کے پہاڑوں میں پائی جاتی ہیں تا حال صحیح و سالم ہیں۔ یونانیوں نے سنگ تراشی بھی فارسیوں سے سیکھی ہے۔

قومِ فارسی کا مذہب کیا تھا

ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ مجوسیوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے قوم مید کے خیالات میں کیسا تغیر ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے آتش پرستی بھی شروع کر دی تھی۔ اس زمانے میں فارسی قوم مید کے ماتحت تھے۔ مگر وہ مذہب زرودشت میں ایسے ثابت قدم تھے کہ بجائے اپنے ہم قوموں کی پیروی کرنے کے بجائے انہوں نے انہیں مار آستین خیال کرنا شروع کیا اور انہیں قدیمی مذہب پر لانے کے لئے کوشش کرنے لگے۔ جیسا کہ سارس کے ارادوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ فارسی بھی قوم مید کی طرح تثینہ کے معتقد تھے۔ مگر پرستش بتدا میں اہورامزدا کی ہوتی تھی۔ گو وہ اور کئی خداؤں کو بھی مانتے تھے مگر وہ سب اہوررامزدا کے متابع گنے جاتے تھے۔ اہورامزدا کے متابع سب سے بڑا خدا ماتھستابگا (سب خداؤں سے بڑا) تھا۔ متھر یعنی سورج کی پرستش ارتا کسرکس میموں کے عہد میں شروع ہوئی۔ مگر کتاب ژنداوست کے بموجب اہورامزدا دنیا کا پیدا کرنے والا اور سب نیکی کا مالک خیال کیا جاتا تھا اور باقی چھوٹے خدا صرف اس کی صفات خیال کرنے چاہئیں۔ کتھا کرنا اور بھجن گانا ان کی عادت تھی۔ قربانی کرنا اور سوما کا طریق بجالانا مستحق ثواب تصور کیا جاتا تھا۔ گھوڑوں کی قربانی زیادہ قابل قدر شمار کی جاتی تھی۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں فارسیوں نے دو دفعہ انسانی قربانی کی تھی۔ قربانی کا گوشت آگ کو دکھا کر پروہت آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ مگر ہیروڈوٹس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں اور چونکہ اور کسی ذریعے سے یہ امر پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچا۔ ممکن ہے کہ ہیروڈوٹس کو غلط اطلاع ملی ہو۔

گو مذہب ژنداوست بت پرستی کے نہایت خلاف ہے مگر چونکہ فارسی بخوشی غیر اقوام کی راہ ملت اختیار کر لیتے تھے اس لئے انہوں نے قوم اہرین کے بت آشور کی علامت کو اہورامزدا کی نشانی قرار دے دیا تھا اور اسے اپنی مذہبی رسوم میں داخل کر لیا تھا اور دیو و جنات کی بھی فرضی تصاویر بناتے تھے۔ جب فارسیوں نے یونان فتح کیا یا مصر پر حملہ آور ہوئے انہوں نے وہاں کے سب بتوں کو توڑ دیا۔ مگر جب انہیں حد سے زیادہ کامیابیاں ہوئیں ان کے مذہبی جوش و خروش میں فرق آنے لگا۔ بادشاہ کمبائی سس جب مصر کی بغاوت کو دور کرنے گیا تو سلطنت کا اختیار ایک مجوسیوں کے پروہت کو دے گیا۔ اس مجوسی نے بادشاہ کی غیر حاضری میں مذہب فرضی

میں اس قدر تغیرات کئے کہ بادشاہ کے واپس آنے پر تمام قوم نے متفق ہو کر مجوسیوں کو اپنا پروہت قرار دیا اور اسی وقت سے آتش پرستی فارسیوں میں عام ہونے لگی۔ آتش پاک مندروں میں شب و روز مشتعل رہتی تھی اور عوام خیال کرتے تھے کہ یہ آگ آسمان سے جلائی جاتی ہے۔ اگر انسانی قربانی فارسیوں نے کبھی کی بھی ہو تو وہ مجوسیوں کے طفیل سے ہو گی۔ کیونکہ ہیروڈوٹس یہ بھی کہتا ہے کہ جب فارسی یونان پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے 9 نوجوان مردوں اور 9 کنواری لڑکیوں کو پکڑ کر قربان کیا تھا۔ ابتدا میں فارسی بت پرستی کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مگر زوال کے قریب بادشاہ ارتا کسارس ہیمنون یکا یک ایک دیوی مسماۃ نانا پر ایسے فدا ہو گئے کہ اس کے شکریہ میں مشہور شہروں میں بت کھڑے کر دیئے۔ شہر ہائے سوزا، پرسی پولس، بابلون، اکباتانہ، دمشق، سارڈس اور بلخ میں دیر تک نانان کے بت کھڑے رہے۔ جونہی قوم کی توجہ بت پرستی کی طرف مبذول ہوئی۔ بتوں کی تعداد آناً فاناً بڑھتی گئی۔ متھرا کی پرستش بھی شروع ہو گئی۔ اس کا بت یوں بنایا جاتا تھا کہ ایک آدمی بیل کو ذبح کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ زوال کے وقت دو اور بت بھی ایزاد کیے گئے۔ جن میں سے ایک بہمن اور دوسرا امرداوت کا یہ تھا۔ یہ دونوں اہورامزدا کے مشیر گنے جاتے تھے۔ گو مذہب فارسی میں بہت سے تغیرات واقع ہوئے مگر ارمزد اور اہرمن یعنی اہورامزدا اور انگرومینوس کا عقیدہ ہمیشہ بحال رہا۔

شاہان فارس کے حالات

بادشاہ دارا ہشتاسپ کے کتبوں میں اس ملک کا نام پارسا لکھا ہے۔ رومن اسے پرسس یا پرسیما کہتے تھے۔ لفظ فارس بھی پارسا ہی کا بگاڑ ہے۔ فارس کے شاہی خاندان کا بانی ہنی مانش تھا اور سوائے دارا قدمان کے سب قدیمی شاہان فارس ہنی مانش کی اولاد میں سے ہونے کا فخر کرتے تھے۔ سارس جو سلطنت فارس کے عروج کا باعث ہوا۔ اس ملک کا دوسرا بادشاہ ہے جس کے نام سے ہمیں واقفیت ہے۔ کیونکہ سارس کے وقت سے پہلے فارس قریباً گمنام تھا مگر اس گمنامی کی حالت میں بھی ایک واقعہ ہمیں معلوم ہوا ہے جو اس ملک کی عزت پر کسی قدر دلالت کرتا ہے۔ یعنی فارس کی ایک شاہزادی اتوسیہ کی شادی کاپادوشیا کے بادشاہ سے ہوئی تھی۔

جب قوم میدنے بڑھ بڑھ کر قدم مارنا شروع کیا۔ تو فارسیوں کے دل میں بھی آتش رشک مشتعل ہوئی اور انہوں نے بھی ترقی کرنی شروع کی۔ مگر 643 قبل مسیح شاہ میدیا نے فارس کو فتح

کر کے باجگزار بنایا۔ مگر اس وقت سے ملک میدیا تو ضعیف ہوتا گیا اور فارسی طاقت میں بڑھتے گئے اور جیسا کہ ناظرین پڑھ چکے ہیں۔ سارس نے مخفی طور پر اپنے والد سے بغاوت کرنی شروع کر دی اور عین وقت پر استیاگس والئی میدیا کو شکست دے کر دونوں ملکوں کا بادشاہ بن گیا۔ اس عظیم الشان سلطنت کے ہاتھ لگتے ہی سارس نے فتوحات کو جاری رکھنے پر کمر باندھی۔ لیدیا جو ملک میدیا کا ہمسایہ تھا۔ سارس کی ترقی کو دیکھ کر آتش حسد میں جل رہا تھا انہوں نے فوراً مصر سے عہد کر کے سارس کو چھیڑنا شروع کر دیا۔ سارس بھی ایک فوج گراں تیار کر کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ مقام ساردس پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ سارس جو فنون جنگ سے بہت ہوشیار تھا اس نے فوراً معلوم کر لیا کہ غنیم کا رسالہ زبردست ہے۔ اس لئے اس نے یہ چال کھیلی کہ اونٹوں کی قطاروں کو رسالہ کے مقابلے میں بڑھنا شروع کر دیا جس سے لیدیا کا رسالہ بے قاعدہ ہو گیا۔ کیونکہ گھوڑے اونٹوں کو دیکھ کر ڈر کر بھاگنے لگے اور بہت سے یورپین املاک سرویا کی حمایت کے لئے ان کے مقابل تھے۔ انہوں نے بھی پیچ کھیلا تھا۔ بادشاہ لیدیا نے شکست کھا کر شہر ساردس کے اندر پناہ لی اور اپنے حمایتوں کو پیغام روانہ کئے۔ مگر پیشتر اس کے کہ بیرونجات سے مدد پہنچے۔ سارس نے 554 قبل مسیح شہر کو فتح کر لیا۔ گو وہ ابتدا میں بادشاہ لیدیا کے ساتھ درشتی سے پیش آیا۔ مگر آخر کار اس نے رحم کھا کر تھوڑا سا ملک دے دیا اور اپنے خواصوں میں داخل کر لیا۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ بادشاہ لیدیا کی کنیزوں میں سے ایک کے گھر شیر پیدا ہوا۔ نجومیوں نے بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ اس شیر کو جا بجا فصیل شہر کے تمام حصوں میں پھرائیں گے تو کوئی دشمن شہر کے اندر گھس نہیں سکے گا۔ بادشاہ کے حکم کے بموجب نوکر شیر کو جا بجا پھرالائے۔ مگر ایک جگہ جو بہت اونچی تھی اور وہاں سے دشمن کا گزرنا ناممکن معلوم ہوتا تھا انہوں نے فروگزاشت کر دی۔ آخر کار سارس اسی مقام سے شہر کے اندر داخل ہوا۔ سارس لگاتار لڑائیوں میں مصروف رہا اور اس نے یکے بعد دیگرے کاریا، دوریا، مندیا، ہلی کارنس اور بعض اور چھوٹی ریاستوں کو فتح کر لیا۔ اقوام کاؤن اور لیسی کا قصہ نہایت عجیب ہے۔ کیونکہ انہوں نے آخری دم تک سارس کا مقابلہ کیا۔ جب انہوں نے کامیابی کو ناممکن سمجھا تو فوراً شہر کی طرف ہٹے اور اپنے مال واسباب اور عیال واطفال کو آگ لگا کر پھر میدان جنگ میں کھڑے ہوئے اور یکے بعد دیگرے سب کٹ کر مر گئے۔ مؤرخین حیران ہیں کہ یہ عجیب وغریب قوم کس نسل سے ہوگی کیونکہ ان کی زبان کا

کسی اور زبان سے تعلق نظر نہیں آتا۔

جب سارس ساٹھ سال کا ہوا تو اس نے تمام ایشیا کو سپاہ فارس کے سامنے عاجز پایا۔ ملک بابلون جو تہذیب اور طاقت میں ایک وقت تمام دنیا میں بے نظیر تھا، برباد ہو گیا۔ شہر بابل جو چند سال پہلے صنعت اور آرائش کا مخزن تھا۔ شہر خموشاں کی طرح یاس و بے کسی کا گھر بن گیا۔ دریائے سندھ سے لے کر مصر تک فارس کا پھریرا لہراتا ہوا نظر آتا تھا۔ قوم سمیت کا نام جس نے تہذیب میں اس قدر ترقیاں کی تھیں۔ آس پاس کی قوموں کو فراموش ہونے لگا اور آریا نسل کے لوگ جابجا پھیلنے لگے۔ بت پرستی جسے اقوام نے قانونا جاری رکھا ہوا تھا، مٹنے لگی۔ بیل، ینبو اور میرو داخ جن کے سامنے والیان ملک تک سجدہ کرتے تھے انقلاب روزگار سے ایسے ذلیل ہوئے کہ سر خیالات زمین سے اٹھا نہیں سکتے تھے۔ مذہب زردشت لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا۔ مذہب یہود بھی سارس کی توجہ کو مبذول کئے بغیر نہ رہا اور اس نے بادشاہ پر اتنا اثر کیا کہ اس نے یہودیوں کو نئی اختیارات دے دیئے۔ جس سے آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں تغیرات واقع ہونے لگے۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ بادشاہ سارس نہایت چالاک اولوالعزم اور بہادر تھا۔ فنون جنگ سے بھی وہ بخوبی واقف تھا۔ رعایا کے ساتھ خوش خلق اور مہربان تھا۔ مگر حد اعتدال سے کبھی تجاوز نہیں کرتا تھا۔ جب قوم ایونی (لفظ یونن اسی سے لیا گیا ہے) نے ساردس کے مفتوح ہو جانے کا حال سن کر سارس کی اطاعت قبول کرنے کے لئے ایک پیغامبر روانہ کیا تو سارس نے یوں جواب دیا "ایک ماہی گیر مچھلیوں کا ناچ دیکھنا چاہتا تھا اس نے ہزار بنسیری بجائی مگر مچھلیاں خاموش رہیں۔ آخر کار اس نے جال ڈال کر ان کو پانی سے باہر نکالا تب تو ساری کی ساری ناچنے لگیں۔ مگر ماہی گیر نے کہا کہ اب میں تمہارا ناچ دیکھنے سے باز آیا جب میں چاہتا تھا تب تو تم ناچتی ہی نہیں تھیں۔"

سارس ایسا رحمدل بادشاہ تھا کہ کبھی کبھی وہ بغاوت کے جرم کو بھی معاف کر دیتا تھا۔ اس کا نام فارس کے آخری بادشاہوں کی زبان پر رہتا تھا۔ سارس فتح کرنے میں تو بڑا لائق و فائق تھا۔ مگر انتظام سلطنت میں وہ ہوشیار نہ تھا۔ گو اس نے کوہستان میں پرورش پائی تھی مگر ہنر اور صنعت کی وہ ہمیشہ بڑی قدر کرتا تھا۔ چنانچہ شہر پرسی پولس کے کھنڈرات اس امر کی کافی شہادت دے سکتے ہیں۔ سارس نے صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کی جس سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا

ہوئیں۔ بیٹوں کے نام کمبائی سس اور سمردی تھے اور لڑکیاں اتوسہ اور آرتائی ستو سے تھیں۔

سارس نے مرنے سے پہلے کمبائی سس کو اپنا ولی عہد قرار دے دیا تھا اور چند عمدہ اور زرخیز صوبے چھوٹے بیٹے کے حوالے کر دیئے تھے مگر یہ تقسیم بڑی خرابی کا باعث ہوئی۔ کیونکہ کمبائی سس اپنے چھوٹے بھائی پر حسد کھانے لگا۔ حتیٰ کہ اس نے سمردی کو قتل کرا کے اس کے بجائے ایک اور شخص جو اس سے مشابہ تھا اس کا لباس پہنا کر حاکم کر دیا۔ اس بدانجام کام کو پورا کرنے کے بعد کمبائی سس نے اپنے باپ کے ارادے کی پیروی کرنے کے لئے جنگ مصر کی تیاریاں کرنی شروع کر دیں۔ اولاً اس نے بادشاہ مصر کو پیغام بھیجا کہ اپنی لڑکی کو یہاں روانہ کر دو تا کہ اسے میں اپنی بیویوں میں شامل کرلوں۔ بادشاہ مصر نے ڈر کے مارے ایک عورت تو روانہ کر دی مگر اس کے پہنچنے پر راز افشاں ہو گیا کہ یہ بادشاہ مصر کی بیٹی نہ تھی۔ کمبائی سس کو اب جنگ کے لئے ایک بہانہ مل گیا۔ مصر کے راہ میں پانی کا حائل ہونا حملہ آور کے لئے باعث تکلیف تھا۔ اس لئے اس نے یہ تجویز کی کہ جہازوں سے زیادہ کام لیا جائے۔ چونکہ ملک فونیشیا اس زمانے میں ایک بے نظیر بحری طاقت کا مالک تھا اس لئے کمبائی سس نے اس ملک کو ترغیب دے کر اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ اب فونیشی، یونان، الولیس اور سائپرس کے جہاز اکھٹے ہونے سے مصر کی نسبت بدرجہا طاقت ور تھے۔ بحری طاقت کو محکم کر کے کمبائی سس نے یہ ارادہ کیا کہ بذریعہ اونٹوں کے عرب میں سے ہو کر جائے۔ لوگوں کو اکثر خیال رہا ہے کہ صحرائے عرب میں سے گزرنا ناممکن ہے مگر تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ جب ابراہیم پاشا جنگ عرب میں صحرائیں سے گزرے ہیں تو انہیں کوئی بڑی تکالیف پیش نہیں آئیں۔ الغرض کمبائی سس سرداران عرب کی اجازت حاصل کر کے ان کے ملکوں کے راستے سے مصر کو روانہ ہوا اور 525 قبل مسیح اس نے جنگ شروع کر دی۔ اس وقت مصر کا بادشاہ سامنت تھا۔ جس نے یونان اور قریان کی فوجوں کو پیسے کے لالچ سے جمع کر کے بڑی کامیابی سے حملہ آور کا مقابلہ کیا۔ آخر میں امدادی فوج نے بے وفائی کی اور بادشاہ کے بال بچوں کو صف لشکر میں لا کر اس کے سامنے قتل کیا اور ان کے خون کو پانی کے گلاس میں ڈال کر پینے لگے۔ سیتس لکھتا ہے کہ مصریوں کے 50 ہزار اور فارسیوں کے صرف 7 ہزار سپاہی کام آئے۔ سامنت بادشاہ مصر پکڑا گیا۔ مگر کمبائی سس نے اس کے ساتھ مہربانی سے برتاؤ کیا اور اردگرد کی دوسری اقوام کو فتح کرنے لگا۔ کمبائی سس نے 50 ہزار سپاہ کو امون کی

طرف روانہ کیا۔ مگر وہ سب کے سب صحرائے لبیان میں مر گئے۔ اس پر بھی کمبائی سس باز نہ آیا اور فوج لے کر نوبیا پر حملہ آور ہوا۔ مگر نقصان اٹھا کر واپس پھرا۔ دارالخلافہ میں پہنچنے پر کمبائی سس کو معلوم ہوا کہ مصر میں پھر ہل چل مچ رہی ہے۔ پروہتوں نے مشہور کر دیا تھا کہ آفس کا اوتار نمودار ہوا ہے اور اس جھوٹی خبر کی خوشی میں میلے لگنے شروع ہو گئے تھے اور بغاوت ہو جانے کا ڈر تھا۔ کمبائی سس نے پہلے تو مقید شاہ مصر کو قتل کرا دیا اور پھر خود فوج لے کر مصر کو سزا دینے کے لئے بڑھا۔ اس بادشاہ کو اپنی ابتدائی کارروائیوں سے معلوم ہو گیا تھا کہ ظلم اور جفا کاری سے اس نے بہت سے دشمن بنا لئے ہیں۔ پس بجائے اس میں کچھ کمی کرنے کے اس نے اندھا دھند ظلم کرنا شروع کر دیا۔ مصریوں کو بجبر مذہب تبدیل کرنا پڑا۔ وہ گائے جسے مصری آفس کا اوتار سمجھتے تھے، ذبح کرا دی اور پروہتوں کو بید لگوائے۔ ایسی کارروائیوں نے مصریوں کے دل میں آتش غیظ کو بھڑکا دیا۔ مگر چونکہ وہ کمزور ہو چکے تھے سر دست کچھ نہ کر سکے۔ اور اپنے تئیں انہوں نے فارسیوں کا غلام تصور کر لیا۔ مصر کو بالکل ضعیف کر کے کمبائی سس اسریا میں سے ہو کر دارالخلافہ کو آ رہا تھا یکا یک ایک روز عین غفلت کے وقت فوج فارس میں غل مچ گیا کہ کمبائی سس بادشاہ فارس کا عہد ختم ہو چکا ہے اور اس کے بھائی سمردی کا زمانہ آ گیا ہے۔ ناظرین کو تعجب ہو گا کہ یہ انقلاب کیونکر واقع ہو سکتا ہے مگر۔

ہر آن کہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

کمبائی سس نے اپنے حقیقی بھائی کو تو سازش کر کے مروا ڈالا تھا۔ ایک مجوسی کو جو اس سے بہت مشابہ تھا، مصلحت وقت سمجھ کر تخت پر بٹھا دیا تھا تا کہ یہ کوئی نہ سمجھے کہ سمردی خلف سارس قتل ہو چکا ہے۔ اب اس مجوسی نے جو کمبائی سس کے اس ملک میں سے گزرنے کی اطلاع پائی اسے یہ تو معلوم ہی تھا کہ کمبائی سس کے ظلم سے تمام رعیت رنجیدہ ہے۔ یکا یک فوج لے کر وہ موقع پر پہنچ گیا جونہی کمبائی سس کی فوج کو خبر ملی کہ بادشاہ کا چھوٹا بھائی لڑنے کو آ رہا ہے وہ بخوشی اس سے شامل ہو گئے۔ جونہی کمبائی سس کو اس حال سے خبر ملی۔ اس نے فوراً خودکشی کر لی۔

ہزار حیف کھلا اب کہ سب یہ دھوکا تھا
یہ زندگی تھی مری مثل موجہائے سراب

522 قبل مسیح کمبائی سس کے مرنے پر مجوسی جولوگوں کے خیال کے بموجب بادشاہ متوفی کا چھوٹا بھائی تھا۔اس سلطنت عظیم کا مالک بنا۔یہ جعلساز بادشاہ دن رات ایسی تجاویز میں مشغول رہتا تھا کہ لوگوں پر اس کا راز کھل نہ جائے۔مجوسی پروہتوں کو تو اس کے حسب ونسب سے خبر ہی تھی۔اب سب نے مل کر خیال کیا کہ اگر ہم نے یکا یک یہ قانون بنایا کہ فارس کی تمام رعایا مذہب مجوسی اختیار کرے تو لوگوں کو شک پڑ جائے گا۔اس لئے مناسب ہے کہ ہم آہستہ آہستہ فارسیوں کو مجوسی بنا دیں۔شاہان فارس میں رسم تھی کہ نیا بادشاہ اپنے سے پہلے بادشاہ کی بیوہ عورتوں سے شادی کر لیا کرتا تھا اس لئے اپنی صداقت کا لوگوں کو یقین دلانے کے لئے بادشاہ سمردی (مصنوعی) نے بادشاہ مقتول کی تمام بیویوں سے شادی کر لی۔اب مشکل یہ پڑ گئی کہ ملکہ اتوسہ شہزادہ سمردی اصلی سے واقف تھی۔اس لئے اس جعلساز مجوسی کو دیکھتے ہی وہ فریب سے واقف ہو جائے گی۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اس شناخت سے بچنے کے لئے مجوسی نے اپنی تمام بیویوں کے لئے علیحدہ علیحدہ محل بنائے تا کہ وہ ایک دوسرے کو نہ مل سکیں اور اس بات کا بھی پورا بندوبست کر دیا کہ کسی رشتہ دار وغیرہ سے ان کا رابطہ واتحاد باقی نہ رہے۔کچھ مدت جو بآرام گزر گئی تو مجوسی افشائے راز سے بے فکر ہو گیا۔رفتہ رفتہ اس نے زردشتی مندروں کا توڑنا شروع کر دیا اور آتش کدے روبہ ترقی ہونے لگے۔فارسی رعیت جو پہلے ہی مذہب مجوسی پر مائل تھی ان تغیرات سے تھوڑی ہی رنجیدہ ہوئی۔مگر یہودیوں سے بہت سابگاڑ ہو گیا۔سارس کی اجازت کے بموجب یہودی چودہ سال سے ایک مندر تیار کر رہے تھے۔اس بادشاہ نے مذہب سمارت کے پیردوں کو جو یہودیوں کے جانی دشمن تھے۔حکم بھیجا کہ یہودیوں کی عمارت بجبر بند کر دو۔ایسے ایسے احکام نے رعیت کو شبہ میں ڈال دیا۔اس پر بادشاہ کے ہر وقت خلوت نشین رہنے اور لوگوں کی ملاقات سے انکار کرنے نے امراء و وزراء کو بھی بدظن کر دیا۔

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

راز کھل گیا۔اراکین سلطنت نے خفیہ طور پر مشورہ کر کے ہشتاسپ کو جو تخت کا حقدار تھا پیغام بھیجا۔مگر ہشتاسپ نے پیرانہ سالی کا عذر رکھ کر اپنے بیٹے دارا کو روانہ کیا۔مجوسی کو قتل کیا گیا اور 521 قبل مسیح دارا نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

مجوسیوں کی سازش کے افشا ہونے کا ذکر سن کر فارسی جوش میں آ گئے۔بادشاہ نے بھی

پروہتوں اور مجوسیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا اور اس جعلساز کی یادگار میں ایک سالانہ قتل گاہ قائم کیا گیا جسے ماجوفونیا کہتے تھے اور جہاں مجوسیوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ مذہب زردشت پھر بحال ہونے لگا۔ یہودیوں کو بھی صرف مندر بنانے کی ہی اجازت نہ مل گئی بلکہ خزانہ بادشاہی سے انہیں سیم وزر اناج اور مویشی بھی عطا کئے گئے۔ پیروان زردشت اور یہودی آپس میں پھر مل کر بیٹھنے لگے۔

مشرقی سلطنتوں میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے۔ باجگزار ریاستیں خودسری کی کوششیں شروع کر دیتی ہیں۔ دارا کا ابتدائی زمانہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہ ہوا۔ بغاوت کی وبا ایسی پھیلی کہ اس نوجوان بادشاہ کو اس کے دور کرتے کرتے چھ سال گزر گئے۔ مصر اور لیدیا کی بغاوتوں کو دور کر کے دارا نے انتظام سلطنت میں اصلاحیں کرنی شروع کر دیں اور فی الحقیقت اس نے بہت عمدہ راستہ ایجاد کیا۔ جو فارس کی تاریخ قدیم میں شہرت سے خالی نہیں۔

تمام سلطنت کو الگ الگ صوبوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر ایک میں سترپ یعنی گورنر مقرر کئے گئے۔ جن کی تعداد ہند کو ملا کر چوبیس کے قریب تھی۔ ایک قانون وضع کر کے سلطنت کے تمام حصوں میں جاری کیا گیا۔ سترپ کا کام مالیہ جمع کرنا، امن کا بحال رکھنا، انصاف کرنا اور ملک کا نگراں رہنا تھا۔ بادشاہ کو اختیار تھا کہ جسے چاہے سترپ مقرر کر دے اور حسب خواہش موقوف کر دے یا سزا دے۔ باوجود اس کے سترپ بڑے خودمختار تھے اور جب چاہیں رعایا پر ظلم کر سکتے تھے۔ ان کی طرز رہائش بادشاہ سے مشابہ تھی۔ حسب دلخواہ وہ ملازمان ریاست کو کم وبیش کر سکتے تھے اور مالیہ کو بھی گھٹا بڑھا سکتے تھے۔ تمام کاروبار نذرانوں اور تحفوں پر چلتا تھا اور بے شرمی کا تو یہ حال تھا کہ رعایا میں سے جس کی لڑکی کو پسند کرتے، حرم سرا میں داخل کر لیتے تھے۔ فوج کا انتظام بھی ہر جگہ یکساں تھا۔ رعایا کو سپاہی بننے کی اجازت نہیں تھی۔ فوجیں میدیا اور فارس سے بھرتی کر کے تمام صوبوں میں بھیجی جایا کرتی تھیں۔ تاکہ اگر کہیں بغاوت وغیرہ ہو تو نہایت درشتی سے فرو کی جائے۔ ڈاکوؤں کے غول کے غول ادھر ادھر تاخت وتاراج کرتے ہی رہتے تھے اور نہ تو سترپ اور نہ فوج شاہی کی کچھ پروا کرتے تھے۔ فارسیوں کو معاملہ معاف تھا۔ مگر جب بادشاہ محل سے باہر جائے تو رعیت پر لازمی تھا کہ حسب توفیق نذرانہ دیں۔ اس رسم سے غریبوں کو بہت فائدہ تھا کیونکہ وہ تو میوہ مٹھائی دے کر بچ نکلتے تھے۔ مگر امیروں کو بھاری بھاری نذرانے دینے پڑتے تھے۔ بادشاہ کے لئے قانون تھا کہ جب مقام پسارگاوی کو جائے تو جو عورت سامنے آئے

اسے دس روپیہ انعام دے۔ یہ رسم سارس کے وقت سے اس لئے رائج تھی کہ آخری جنگ میں فارسیوں کو فتح صرف عورتوں ہی کے طفیل ہوئی تھی کہ انہوں نے شور پکار کر کے فوج کا دل بڑھا دیا۔ بادشاہ ہر ایک سترپ پر خراج کی مقدار مقرر کر دیا کرتا تھا۔ جو اسے سالانہ ادا کرتا تھا۔ خراج کی مقدار زیادہ سے زیادہ ایک ہزار بابلونی خشت ہائے نقرہ تھیں۔ جن کی قیمت تیس لاکھ روپیہ کے قریب تھی۔ مگر ہندوستان کا خراج ایک کروڑ سے متجاوز نہ تھا۔ باوجود یہ کہ ہندوستانی اس زمانے میں آبادی کم ہونے کی وجہ سے اب سے لاکھوں درجہ زیادہ دولت مند تھے۔ علاوہ یا بجائے خراج صوبہ ہائے سلطنت اپنے ملک کی خاص خاص اشیاء بادشاہ کو دے سکتے تھے۔ بابلون اور اسریا کا اس میں کسی قدر نقصان تھا کیونکہ انہیں غلہ کی ایک بڑی مقدار دینی پڑتی تھی۔ بعض بعض مقامات میں آبپاشی کا معاملہ بھی وصول کیا جاتا تھا۔ ماہی گیروں کو بھی ٹیکس ادا کرنا لازمی تھا۔ گو اس وقت تمام سلطنت فارس کی آبادی چار کروڑ کے قریب تھی مگر ہر طرح کا معاملہ دس کروڑ سے زیادہ نہ تھا۔ یعنی بہ حساب اوسط ہر ایک شخص کو اڑھائی روپیہ سالانہ دینا پڑتا تھا۔ جو ہندوستان کے موجودہ معاملہ سے بہت کم ہے اور اس زمانے میں جبکہ آبادی چار کروڑ تھی سلطنت فارس کی رعیت نہایت متمول اور آسودہ حال ہوگی ہندوستان کی موجودہ زمین مزروعہ اس بے شمار آبادی یعنی 28 کروڑ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ بشرطیکہ صنعت اور تجارت میں اعلیٰ درجے کی ترقی نہ کی جائے۔ گورنروں کی تنخواہیں اس زمانے میں مقرر نہیں تھیں۔ وہ اپنے اخراج ریاست سے وصول کر لیتے تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس انتظام سلطنت میں بھی بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں۔ ہر جگہ فارسی قوم کو اخراج میں بھرتی کرنا۔ ان کی تہذیبی ترقی میں بڑا حارج تھا۔ گورنروں کی تنخواہیں مقرر نہ ہونا بھی گو اس زمانے میں ایسا ضرر رساں نہ ہوگا مگر آج کل رعیت کے لئے زہر ہلاہل ثابت ہوگا۔ آج کل سلطنت ایران میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ وہاں معاملہ مقرر نہیں۔ اس لئے گورنر اکثر ظلم و تعدی سے کام لیتے ہیں۔ ہر ایک صوبے میں تین شاہی افسر مقرر تھے۔ سترپ، سیکریٹری اور سپہ سالار۔ تاکہ ان میں سے اگر ایک آمادۂ شرارت ہو تو دوسرا پردہ فاش کر دے۔ صرف اتنے ہی انتظام پر اکتفا نہیں کی گئی تھی۔ شاہی خاندان کے لوگوں کو ناظر مقرر کیا جاتا تھا جو اچانک کسی صوبے میں جا کر وہاں کی کارروائی کا معائنہ کرتے تھے۔ ایک مسلح دستہ فوج ان کے ہمراہ رہتا تھا۔ تاکہ اگر کوئی نقص بآسانی دور نہ ہو تو جبراً انسداد کیا جائے۔ دارا کا انتظام سلطنت ایسا مفید اور اعلیٰ ثابت ہوا ہے کہ

آج کل انگریز اور کئی اور مہذب قومیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ بعض اوقات کسی صوبے کے ستر پ کو بیاہ شادی کے ذریعے خاندان شاہی میں داخل کر لیتے تھے تا کہ بادشاہ کے فوائد اسے مدنظر رہیں۔

صوبہ جات کے اعلیٰ افسروں کے اختیارات کا منقسم ہونا، امن کے وقت میں تو از حد مفید ہے مگر جنگ یا بغاوت کے وقت باعث نقصان ہے۔ کیونکہ روپیہ، افواج اور اختیارات جب تین مختلف شخصوں کے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا متفق ہو کر چلنا اور کام کو عین وقت میں سرانجام کرنا دشوار ہے اور مزید برآں کاروبار سلطنت میں جب بہت سے راز دار ہوں تو تجاویز کا پوشیدہ رہنا بھی محال ہے۔ اس لئے ہنگامے کے وقت میں سلطنت روم کا انتظام بے نظیر ہے۔ جہاں ہر ایک صوبے کا پاشا خزانے اور فوج وغیرہ پر اختیار کامل رکھتا ہے۔ احکام بھی سلطان سے اسے جو ملتے ہیں وہ ہمیشہ مخفی رہتے ہیں۔ اگر کسی حصۂ ملک میں شر و فساد ہو تو عین وقت میں اس کا انسداد ہو جاتا ہے۔ اگر یورپ کے کسی لائق سے لائق اور مہذب سے مہذب قوم کو وہ مشکلات حائل ہوں جو ہمیشہ سے سلطنت روم کے ساتھ ملحق رہی ہیں (یعنی اولاً نصف رعایا کا عیسائی ہونا اور دوسرے عیسائی سلطنتوں کا شب و روز تخریب میں مشغول ہونا) تو شاید ہی تاب مقاومت لائے۔

دارا کو یہ امر بھی مدنظر تھا کہ سلطنت کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کو خبریں بہ سرعت پہنچ سکیں۔ جابجا ڈاک خانے بنائے ہوئے تھے جہاں تیز رو گھوڑے تیار رہتے تھے کہ خطوں کو لے کر ہوا ہو جائیں۔ دارا نے سونے اور چاندی کا سکہ چلانا شروع کیا۔ لفظ دارک جو تقریباً تمام زبانوں میں بگڑا مستعمل ہے۔ دارا کی طرف ایما کرتا ہے۔ یعنی دارا کا ایجاد کیا ہوا سکہ، دارا امن پسند، زیور، سنگتراشی اور تعلیم کا شائق تھا۔ اس نے مقام سوزا پر ایک ایسا خوبصورت محل تعمیر کیا تھا کہ بعد کے بادشاہ اسی میں رہتے تھے۔ شاہان فارس میں سے صرف دارا ہی نے اپنی قبر پر کتبہ بنوایا تھا۔ جس پر اس کے وقت کے مشہور واقعات اور محکوم املاک کے نقشہ جات تحریر تھے۔ 507 قبل مسیح تک دارا انتظام سلطنت میں ایسا محو رہا کہ اسے فوج کی آراستگی اور مضبوطی پر خیال کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ رعیت جو ہمیشہ جنگ اور فتوحات کی خبریں سننے کی عادی تھی، دارا کو کمزور خیال کرنے لگی۔ دارا جیسا بیدار مغز بادشاہ بھلا کب رعیت کے خیالات سے ناواقف رہ سکتا۔ اس نے چاروں طرف جو نظر دوڑائی تو مشرقی پنجاب کی سرسبز زمین جو اس زمانے میں سونے چاندی

سے پُرتھی اس کی توجہ کو مبذول کرنے لگی۔ وہاں کے قد آور اور جنگ جو باشندوں کو بھی دیکھ کر دارا کا دل للچا آیا۔ کہ انہیں اپنی فوجوں میں داخل کرے۔ اس نے ایک فوج گراں کو روانہ کیا جو دریائے سندھ سے کشتیوں کے ذریعے پار اُتر کر سارے پنجاب کو فتح کر آئی۔ فتح پنجاب کے بعد بھی دارا کو تسلی نہ ہوئی اور یونان اور مقدونیہ اس کی فتح مندی کی تلوار پر سنگ مقناطیس ایسا اثر کرنے لگی۔

ہفت اقلیم اربگیرد بادشاہ
ہم چناں دربند اقلیمے دگر

اس زمانے میں قوم سیس ملک آرمیبیا سے لے کر دریائے ڈینوب کے کناروں تک آباد تھی اور دارا بھی ان کی کارروائیوں سے ناواقف نہ تھا۔ اگر دارا بے سوچے سمجھے یونان پر حملہ کر دیتا تو قوم سیس حسب عادت عین موقع پر بلائے ناگہانی کی طرح اس پر جا گرتی۔ ان تمام مشکلات کی پیش بندی کرنے کے لئے دارا نے آٹھ لاکھ کے قریب فوج تیار کی اور چھ سو جنگی جہازوں کو باسفورس کی طرف روانہ کیا۔ جونہی دارا کی فوج بری سرحد سے باہر نکلی قوم سیس تاب مقاومت نہ لاکر پیچھے ہٹنے لگی۔ دارا بھی برابر ان کا تعاقب کرتا گیا اور ساری قوم کو دریائے ڈینوب کے پار بھگا کر ان کے دل پر اپنی فوجی طاقت کو نقش کیا۔ باوجود ایسے دور دراز سفر کے دارا نے رسد کا انتظام ایسا خوب کیا تھا کہ کوئی بھی مشکل پیش نہ آئی۔ وہاں سے دارا اپنے جہازوں کی طرف آیا اور میگابازوس نامی ایک سپہ سالار کو مقدونیہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ اس سپہ سالار نے صرف دھمکیاں ہی دے کر وہاں کے بادشاہ کو مطیع کرلیا اور اردگرد کی اقوام کو بھی فرمانبردار بنایا۔ میگابازوس اپنے قائم مقام سمیانس مقرر کر کے خود شہر ساردس کو واپس آیا کیونکہ وہاں دارا ٹھہرا ہوا تھا۔ سمیانس نے 505 قبل مسیح شہر بارنظیم کو جہاں آج کل قسطنطنہ واقع ہے اور بہت سے اور شہروں کو سلطنت فارس کے ساتھ ملحق کیا۔ دارا مقام ساردس سے شہر سوزا کی طرف بڑھا اور کچھ عرصہ کے لئے یونان کو فتح کرنا اسے بھول گیا۔ یونانیوں نے اپنے ہم قوموں کو جو جا بجا مغربی ایشیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ بغاوت کے لئے بھڑکانا شروع کیا۔ جو چھ سو جہاز دارا نے چند ماہ پیشتر باسفورس کی طرف روانہ کئے تھے۔ ان میں ملاح سپاہی بلکہ افسر تک یونانی تھے جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ اتنی کثیر التعداد فوج کا جو غیر قوم میں سے تھی یکجا رکھنا صرف دارا کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ یونانی سپاہ جو جہازوں میں تھی۔ ان فارسی سپاہیوں کے قتل

کے لئے کافی تھی۔ جوان کے متصل کنارہ پر خیمہ زن تھے۔ یونانیوں میں یکا یک قومی جوش پیدا ہو گیا۔ ارستا گورس کو اپنا سردار مقرر کر کے انہوں نے یکا یک بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا اور یورپ کے یونانیوں سے امداد کے ملتجی ہوئے۔ ارستا گورس اپنے ہم قوموں سے امداد کے وعدے لے کر ایشیا میں بڑھنے لگا۔ اپنی شجاعت اور بہادری کا اظہار کرنے کے لئے اس نے حد اعتدال سے تجاوز کیا۔ یعنی شہر سارس کا جو کہ ملک لیدیا کا دارالخلافہ تھا محاصرہ کر دیا۔ وہاں کا سترپ بالمقابل نہ ہو سکا اور وہاں سے روبہ فرار ہوا۔ یونانیوں نے اندھا دھند شہر کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور اس کش مکش میں شہر میں بھی آگ لگ گئی۔ الغرض وہاں سے بے انتہا مال و اسباب لے کر یونانی شاد و خرم گھر کو واپس ہوئے۔ مگر ابھی دور نکلنے نہیں پائے تھے کہ فارسی فوج پہنچ گئی اور اس نے یونانیوں کی بہت ہی بری گت بنائی۔ بری فوج ہتھیاروں کو پھینک اور بحری فوج جہازوں کو چھوڑ بھاگی اور دم دبائے ہوئے اپنے شہروں میں چھپ گئی۔ اس مہم سے یونانیوں کو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ فارس کی باجگزار ریاستوں اور دشمنوں کو سلطنت کی کمزوری کا خیال ہو گیا۔ یعنی یونانی فوج کا بے روک ٹوک شہر سارس تک پہنچ جانا ایک ایسا کام نہ تھا کہ بہتوں کو تقلید کی ترغیب نہ دیتا۔ قوم سیس جو انتقام کے لئے دانت پیس رہی تھی۔ اِدھر اُدھر حدود فارس پر لوٹ مار کرنے لگی۔ دارا نے فوج گراں روانہ کر کے ایشیا کے یونانیوں اور مقدونیہ کے باشندوں کو ان کی گستاخانہ حرکات کے لئے سخت سزائیں دیں۔

دارا نے اس بات کا بھی مصمم ارادہ کر لیا کہ یونان خاص کو بہرصورت فتح کر لیا جائے۔ ورنہ آئے دن وہ جا بجا لوگوں کو بغاوت کی ترغیب دیں گے۔ اس کام کے سرانجام کے لئے دارا نے اپنے داماد مارودنی کو سپہ سالار مقرر کر کے یونان کی طرف بھیجا۔ مارودنی نے سمندر کے راستے سے جا کر یونان کے بہت سے شہروں کو فتح کر لیا۔ مگر ایک روز سمندر میں ایسا طوفان عظیم بپا ہو گیا کہ آناً فاناً میں تین سو جہاز بمعہ بیس ہزار سپاہیوں کے غرق ہو گئے اور سپہ سالار فارس اپنا سا منہ لے کر واپس آیا۔ اس واقعے سے بھی دارا کے ارادے میں فرق نہ آیا۔ 490 قبل مسیح اس نے دات نامی سپہ سالار کو فوج دے کر فتح یونان کے لئے روانہ کیا۔ یونانیوں نے زیر کمان ملتیاداس اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ فارسیوں کو شکست کھا کر ایشیا کو لوٹنا پڑا۔ گو یہ شکست باعث ندامت تھی مگر دارا نے اس خیال کو ترک نہ کیا اور نہایت سرگرمی سے تیاری کرنا شروع کر دی۔ مصری بھی فارسیوں سے آزاد ہونے کی تجاویز کر رہے تھے۔ موقع پا کر انہوں نے بھی

خودمختاری اختیار کر لی۔ دارا نے ان دونوں دشمنوں کو ایک ہی دفعہ سزا دینے کا ارادہ کر لیا مگر عمر نے وفا نہ کی۔ 486 قبل مسیح دارا جاں بحق ہوا۔ یہ بادشاہ بوجہ انتظام ملکی بے نظیر ہے۔ اس کی لیاقت اس کے کاموں سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ دارا کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سرکسس جو ملکہ اتوسیا کے شکم سے تھا، تخت نشین ہوا۔ فارس میں قاعدہ تھا کہ بادشاہ ہمیشہ اپنا ولی عہد مقرر کر دیا کرتا تھا۔ گو سرکسس بادشاہ بننے کے لائق نہ تھا مگر اپنے باپ کی وصیت کے بموجب حکمران بن گیا۔ سرکسس نے تخت نشین ہوتے ہی نہایت سرگرمی سے تسخیر یونان کے لئے تیاریاں شروع کر دیں اور اندھا دھند روپیہ خرچ کر کے بارہ سو جنگی جہاز اور تین سو معمولی بیڑے فراہم کئے۔ جا بجا راستے میں خوراک کے ذخیرے جمع کئے گئے تا کہ فوج کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ فنون جنگ سے تو سرکسس بے بہرہ تھا۔ صرف اپنے تجمل و احتشام کے ظاہر کرنے کے لئے اس نے زر کثیر صرف کر دیا۔ مقام ہیلیوپٹ پر اس نے فوج کو دریا سے پار کرنے کے لئے دہرا پل بنوایا اور مقام اتھوس پر ایک نہر بنوائی۔ کیونکہ یہ مقام یونان پر حملہ آوری کے لئے بڑا خطرناک تھا۔ ان بڑے بڑے کاموں کو سرانجام دے کر سرکسس 481 قبل مسیح مقام سوزا سے براہ ساردس روانہ ہوا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ اس کے جھنڈے کے نیچے 49 اقوام کے سپاہی تھے جن میں ہندوستانی بھی تھے۔ ابی دوس کی پہاڑی پر سرکسس کے لئے ایک سنگِ مرمر کا تخت بچھایا گیا۔ جہاں بیٹھ کر وہ اپنی افواج کی کثرت اور شوکت کو ملاحظہ کرنے لگا۔ مقابل میں یونانی دانہ ہائے دیگ کی طرح زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ بائیں طرف فارسی جہازوں کے سفید پھریروں نے سمندر کو بحر منجمد شمالی کی صورت بنا دیا تھا۔ سرکسس نے اپنے جہازوں کو حکم دیا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ جہازوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک مصنوعی لڑائی دکھائیں۔ تا کہ معلوم ہو کہ کون سی قوم کے جہاز حقیقت میں عمدہ ہیں۔ اس مقابلے میں قوم فونشین نے اپنا کمال ظاہر کیا اور اول درجہ کے جہاز راں قرار دیئے گئے۔ دوسرے روز مذہبی رسومات بجا لاتے۔ سرکسس نے سونے کا ایک مرتبان، ایک پیالہ اور ایک تیغ فارسی کو سمندر کی نذر کی اور متھرا یعنی سورج کے خدا سے دعا مانگی تا کہ یورپ پر ظفریاب ہو۔ بعد ازاں فوجوں کو پل کے ذریعے سے پار ہونے کا حکم دیا گیا۔ سات روز تک سپاہ دریا سے پار اترتی رہی۔ سرحد یورپ میں پہنچ کر جنگلی شیروں نے کسی قدر نقصان پہنچایا۔ صوبہ تھلی (جسے تھالیہ کہتے ہیں) کی قوموں نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ رات کو خیمہ زنی کر کے علی الصبح سرکسس کی فوج نے یونان پر حملہ کر دیا۔ کچھ تو یونانی فراری ہو گئے مگر

ایک زبردست فوج لیوینہ اس کے ماتحت مقابلے پر تلی رہی۔ گو اس لڑائی میں فارسیوں کا بھی بہت نقصان ہوا مگر سوائے چار سو کے کل یونانی سپاہی تہ تیغ ہوئے مگر اسی پر ہی بس کیوں ہو جاتی۔ جنگ یونان میں بحری لڑائی بھی لازمی تھی۔ بطور سابق اس دفعہ بھی ایک طوفان آیا جس نے فارسیوں کے بہت سے جہاز فنا کر دیئے مگر پھر بھی سرکسس نے حوصلہ نہ ہارا اور خشکی کے راستے ایتھنز پہنچ گیا۔ یونانی وہاں سے بھی بھاگ نکلے اور قریب تھا کہ جہازوں میں سوار ہو کر جزیروں میں پہنچ جائیں مگر سرکسس نے اپنی فوج میں حکم دے دیا کہ جونہی یونانی جہازوں پر سوار ہوں۔ بحری لڑائی شروع کی جائے اور یونانیوں کو فراری نہ ہونے دیں۔ جونہی یونانیوں کے جہاز نمودار ہوئے فارسیوں نے حملہ کر دیا اور دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد یونانیوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ قریب تھا کہ یونانی بھاگنے لگیں کہ یکا یک یونانیوں کے جہازوں میں ایک جرأت بڑھا دینے والا شور مچا اور یونانیوں نے یہ سمجھ کر کہ اگر شکست کھائی تو مارے جائیں گے۔ جی توڑ توڑ کر لڑنا شروع کر دیا۔ فارسی جہاز پسپا ہونے لگے۔ حتیٰ کہ کئی گھبراہٹ اور کھلبلی میں غرق ہو گئے۔ چند گھنٹوں کے بعد سمندر میں جہازوں کے تختوں اور مردوں کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ سرکسس کا اس واقعے سے بالکل حوصلہ ٹوٹ گیا اور اس نے ایشیا واپس جانے کے لئے بوریا بندھنا اٹھا لیا۔

ماردونیس سپہ سالار نے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں یونان پر فوج کشی کروں۔ سرکسس نے اسے تین لاکھ فوج دے کر یونان پر حملہ آوری کے لئے روانہ کیا۔ ماردونیس شہر پر شہر فتح کرتا دارالخلافہ تک پہنچ گیا۔ مگر جب فتح کر کے وہ واپس پھرا تو راستے میں ایک تنگ مقام میں جہاں معدودے چند سپاہی مل کر چل سکتے ہیں۔ باشندگان سپارتا نے حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا اور فوج کو بھی گھیر کر سخت نقصان پہنچایا۔

سرکسس کے عہد میں یونان سے جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں فارسیوں کو بجائے فائدے کے نقصان ہوا۔ مقدونیہ اور فارس کے دیگر مقبوضات جو یورپ میں واقع تھے یکے بعد دیگرے باغی ہو گئے اور یونانیوں کی بھی جرأت بدر جہا بڑھ گئی۔ انہوں نے از سر نو فارس کی باجگزار ریاستوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور جزیرہ سائپرس کو فتح کر لیا۔ ادھر بادشاہ فارس کے خانگی معاملات میں فتور مچ گیا۔ شادی تو اس نے صرف ایک ہی بار کی تھی مگر اس نے اپنے امراء، وزراء وغیرہ کی بیویوں سے حتیٰ کہ اپنے رشتے داروں کے گھروں میں بھی

بدکاری شروع کر دی۔ اس کی بدچلنی کا یہاں تک اثر ہوا کہ اس کی لڑکی آمت جو شہزادہ میگانروس سے بیاہی جارہی تھی باپ کی نقل کرنے لگی۔ اس کثرت عصیان کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اراکین سلطنت بادشاہ کے دشمن بن گئے اور ایک دن انہوں نے اسے خواب گاہ میں قتل کر دیا۔ الزنا بجزب البناء۔

سرکسس کے مرنے کے بعد اس کے تینوں بیٹوں میں فساد مچ گیا۔ مگر اس وقت محل شاہی میں صرف دو ہی بیٹے دارا اور ارتا کسرکسس تھے۔ ارتا کسرکسس نے دارا پر قتل پدر کا الزام دے کر اس کا سر قلم کرا دیا اور 465 قبل مسیح خود تخت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے حقدار شہزادوں میں بغاوت پھیلنے لگی۔ مگر ارتا کسرسس نے یکے بعد دیگرے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اسی اثنا میں مصر میں ایک نیا گل کھلا۔ انارد نامی حبشیوں کے سردار نے مصر کے سٹرپ (گورنر) سے جنگ شروع کر دی اور یونانیوں کی مدد سے اس فوج کو جو فارسیوں نے حفاظت کے لئے وہاں رکھی تھی مار ڈالا۔ بادشاہ فارس نے میگابازدس کو سپہ سالار بنا کر مصر کی طرف روانہ کیا۔ دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں یونانیوں کے سب جہاز پکڑے گئے اور اکثر یونانی مقتول ہوئے۔ سپہ سالار فارس نے حسب الحکم بادشاہ انرد کو گرفتار کر کے مصلوب کر دیا۔ 449 قبل مسیح یونانیوں نے پھر تین سو جہاز جمع کر کے مصر کا راستہ لیا اور سائپرس میں بھی فساد شروع کر دیا اور جہاں جہاں فارسی سپاہ کو پایا اسے قتل کر دیا۔ ارتا کسرسس نے مصلحت وقت سمجھ کر یونانیوں سے صلح کر لی۔ شرائط یہ قرار پائیں کہ وہ اپنے مقبوضہ ان ایشیائی ریاستوں کو جن میں یونانی آباد ہیں، آزاد کر دے گا۔ یونانیوں کو آزادی عطا کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ سارا ملک خودمختار ہونے کی کوشش کرنے لگا اور اسی وقت سے سلطنت فارس کا زوال شروع ہو گیا۔ کیونکہ بادشاہ ارتا کسرکسس ایسا بزدل تھا کہ وہ ایک دفعہ بھی لڑائی پر نہیں گیا۔ اس کی بہن اور والدہ دونوں بدکار تھیں اور جو چاہتی تھیں بادشاہ کو ترغیب دے کر کرا لیتی تھیں گویا کہ عنان حکومت انہی کے ہاتھ میں تھی۔ اس بادشاہ کے بعد اسکا بیٹا سرکسس 425 قبل مسیح حکمران ہوا۔ مگر ڈیڑھ مہینہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ اس کے بھائی نے اسے شراب پیتے وقت قتل کر دیا اور خود تخت پر قبضہ کر بیٹھا تھا۔ اسے بھی چھ مہینے سے زیادہ حکمرانی کرنی نہ ملی۔ کیونکہ اس کے ایک اور بھائی اوجس نامی نے اسے قتل کر کے تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اپنا نام دارا مقرر کیا۔ دارا باپ کی زندگی کے وقت ہرکانیہ کا سٹرپ یعنی گورنر تھا اور اس نے اپنی پھوپھی سے شادی کی تھی۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی ملک میں بغاوتیں ہونے لگیں۔ مگر اس نے روپیہ کا

لالچ دے کر یونانیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور چونکہ اس وقت یونانی مغربی ایشیا اور یورپ کے جنوب مشرق میں جا بجا پھیلے ہوئے تھے اس طرح وہ کبھی ایک ریاست کو ساتھ ملا کر دوسری سے لڑتا تھا اور کبھی ایک ملک کو زر دے کر دوسرے سے لڑنے کو بھیجتا تھا۔ اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی آئے دن لڑائیوں میں مشغول رہ کر فن حرب میں لائق ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ دارا نے انہیں اپنی فوج میں بھی بڑے بڑے عہدے دینے شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ فارس کی فوج یونانیوں سے پُر ہو گئی۔ انتظام سلطنت کی یہ حالت ہوگئی کہ ناگفتہ بہ خواصوں اور ملازموں کو یہاں تک اختیار تھا کہ ایک خواجہ سرا نے بادشاہ کو تخت سے اتار کر خود بادشاہ بننے کی کوشش کی۔ عداوت اور نااتفاقی نے ملک میں اس قدر ترقی کی کہ ولی عہد تک نے بادشاہ سے جنگ شروع کر دی۔ الغرض ملک کو شرو فساد سے لبریز چھوڑ کر دارا راہی ملک بقا ہوا۔ دارا کے دو بیٹے ارساس اور سارس تھے۔ ماں کو گو چھوٹے بیٹے سے محبت تھی مگر دارا نے آخری وقت میں بڑے بیٹے کو جانشین قرار دیا۔ ارساس نے 405 قبل مسیح تخت نشین ہو کر اپنا نام ارتا کسرکسس رکھ لیا۔ ایک دن یہ بادشاہ مندر میں پوجا کر رہا تھا کہ یکایک کسی مخبر نے اطلاع دی کہ تمہارا چھوٹا بھائی سارس یہاں پنہاں ہے۔ جونہی تم کپڑے بدلنے کی رسم ادا کرنے لگو گے وہ اچانک تم پر حملہ کرے گا۔ بادشاہ نے فوراً سارس کو گرفتار کرا لیا۔ مگر ماں نے بیچ بچاؤ کر کے اس کی جاں بخشی کرادی اور اسے حاکم اسریا مقرر کر کے روانہ کر دیا۔ وہاں پہنچتے ہی سارس نے پوشیدہ طور پر اپنے بڑے بھائی یعنی شاہ فارس کے برخلاف تیاریاں شروع کر دیں۔ آس پاس کی ریاستوں سے لڑائی کا بہانہ کر کے بادشاہ سے فوج منگواتا رہا اور یونانیوں کو بھی لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ جونہی فوج کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ سارس خفیہ طور پر دارالخلافہ فارس کی طرف بڑھنے لگا۔ اوزیسو پوٹیمیا کے راستے تینتیس دن میں چھ سو میل کا فاصلہ طے کر کے 401 قبل مسیح بابلون تک پہنچ گیا۔ اس طول وطویل سفر میں فوج نے کئی بار تنگ آ کر آگے بڑھنے سے انکار کیا۔ مگر سارس انہیں زیادہ تنخواہ دینے کے لالچ سے اتنی دور لے آیا۔ ارتا کسرکسس یعنی بادشاہ فارس بھی ان کارروائیوں سے بھلا کب بے خبر تھا۔ آناً فاناً نو لاکھ سپاہ کو جمع کر کے وہ بھی اپنے بھائی کے استقبال کے لئے روانہ ہوا۔ سارس نے تین روز تک ہر طرح سے خبرداری رکھی۔ کہ کہیں دشمن سے راستے ہی میں مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ مگر جب اسے سپاہ فارس کا کچھ نشان نہ ملا تو غافل ہو گیا۔ سارس خود تو ایک چوپہیہ گاڑی پر لد لیا اور فوج بے ترتیب ہو کر چلنے لگی۔ اس بے فکری اور کوتاہ اندیشی کی رفتار میں یکایک ایک سوار نے جو دور سے سرپٹ گھوڑا دوڑائے

چلا آتا تھا لشکر کو متوجہ کیا۔ قریب آتے ہی اس نے مضطربانہ طور پر چلانا شروع کر دیا کہ شہنشاہ فوج عظیم لئے مقابلے کے لئے آ رہا ہے۔ اس خبر وحشت اثر سے سارس کے حوصلے میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ تین گھنٹے کے اندر ہی اس نے فوج کو بڑی ہوشیاری سے آراستہ کر لیا اور دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ جونہی فارس کی فوج دور سے نظر آئی۔ یونانی سپاہی جو اتنے روز سے جنگ کے پیاسے تھے وحشی درندوں کی طرح حملہ آور ہو گئے۔ یونانیوں کے اچانک جھپٹ پڑنے سے رتھ جو فارسی فوج میں سب سے آگے تھے۔ گھوڑوں کے بے تحاشا بھاگنے سے اپنے ہی لشکر کو پامال کرنے لگے۔ سارس چھ سو خاص سواروں کو ساتھ لئے فوج فارس میں داخل ہو گیا اور عین بادشاہ کے محافظوں تک پہنچ گیا مگر مقتول ہوا۔ سر لشکر کے مارے جانے سے سارس کی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ بعضوں نے سر کٹا کر اور بعضوں نے بھاگ کر مخلصی پائی۔ سارس کی لیاقت اور شجاعت پر اتنا بھروسہ ضرور تھا کہ اگر اسے فتح حاصل ہو جاتی تو فارس کا رعب داب چند دن اور برقرار رہتا۔ مگر ارتاکسرکسس کی زندگی باقی تھی اور فارس لازمی۔ یونانیوں کو جو سارس کے ساتھ آئے تھے اتنا یقین تو ہو گیا کہ اگر وہ کافی تعداد میں آتے تو فارسی بے قاعدہ سپاہ کے انجر پنجر ڈھیلے کر سکتے تھے۔ دس ہزار یونانی جو فارسیوں سے شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ گھر پہنچ کر فوج فارس کی کمزوری کے راز افشا کرنے لگے۔ کسی مخالف کی فوج کا حدود فارس میں داخل ہو کر بغیر مزاحمت کے ایک ہزار میل جا سکنا ایک ایسا راز نہ تھا جو فارس کی بدانتظامی کو ثابت نہ کرتا۔ مزید برآں پیشتر یونانی خیال کرتے تھے کہ کوہ قاف سے لے کر عرب کے جنوب تک سب ملک فارسیوں سے آباد تھا۔ مگر اب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ملک برائے نام فارس کے ماتحت ہے اور وہاں کے باشندے فارسیوں کی جان کے دشمن ہیں۔

ارتاکسرکسس نے اس خیال سے کہ باشندگان سپارتا نے سارس کی مدد کی تھی اس ملک پر فوج کشی کی مگر چھ سال تک لڑائی جاری رہی اور کچھ حسب خواہش فیصلہ نہ ہوا۔ انجام کار شاہ فارس کے بجائے اپنی فوج کی طاقت کو بڑھانے کے یونانیوں کو روپیہ سے مدد دے کر سپارتا سے لڑوانے لگا۔ ان نالائقانہ حرکات سے فوج سارس کا خوف محکوم اقوام کے دل سے دور ہونے لگا۔ اسی اثناء میں قوم قدوسی نے جو کوہ البرز اور بحیرہ کسپین کے درمیان آباد تھی خوسری اختیار کی۔ مگر ارتاکسرکسس نے فوج بھیج کر کسی قدر دقت سے انہیں مغلوب کر لیا۔ ایسے ایسے قلیل ہنگاموں میں فتح حاصل کرنے سے شاہ فارس کے دل میں مصر کو جو تین سال سے آزاد ہو گیا تھا از سر نو فتح کرنے

کی ہوس پیدا ہوئی۔

اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے شہنشاہ فارس نے یونان سے فوجیں منگوا کر 375 قبل مسیح انہیں تسخیر مصر کے لئے روانہ کیا۔ مگر بوجہ دریائے نیل کی طغیانی کے کامیابی نہ ہوئی اور ایشیائی روم کی تمام ریاستوں نے جو اس زمانے میں فارس کے زیر حکومت تھیں آزاد ہونے کے لئے جنگ شروع کر دی اور ادھر مصر نے اسریا پر حملہ کر دیا مگر شاہ فارس کے روپیہ نے سب کے دانت کھٹے کر دیئے اور سب کے سب الٹے آپس ہی میں لڑنے لگے۔ اس مکر وفریب سے سلطنت فارس کے مریض جان بلب کی عمر میں چند روز کا اضافہ ہو گیا۔ بادشاہ ارتاکسر کسس کی زندگی بوجہ خانگی معاملات کے بڑی خراب تھی۔ اس کی والدہ نے سازش کر کے مسماۃ ستاترا بادشاہ کی محبوبہ بی بی کو زہر دلوا دیا اور ارتاکسر کسس کو ترغیب دے کر اس کی اپنی دختر اتوسہ سے شادی کرا دی۔ تھوڑے عرصے کے بعد ولی عہد سلطنت نے بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش کی مگر راز افشا ہو گیا اور وہ خود ہی دار پر چڑھایا گیا۔ آریاسپس بادشاہ کے دوسرے بیٹے نے خودکشی کر لی۔ اس کے مرنے پر بادشاہ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ خود بھی روانہ عدم ہوا اور اوچس یعنی بادشاہ کا تیسرا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اوچس نے تخت نشین ہونے سے پہلے حسد کھا کر اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ اس واقعے نے بھی ارتاکسر کسس کے دل حزیں ہونے میں بہت مدد کی تھی۔ ارتاکسر کسس اگر برا اور ظالم تھا تو اس لئے کہ لوگوں کے کہنے کہانے پر وہ برے سے برا کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ مگر اوچس قدرتاً ہی بدفطرت تھا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی شاہی خاندان کے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ میدان اس کے حریفوں سے خالی ہو جائے۔ حتیٰ کہ اس نے شہزادیوں کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ اس جور و جفا سے فرصت پا کر اوچس نے مصر پر فوج کشی کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور باوجود یہ کہ ایشیائے کوچک میں بدامنی پھیلنے والی تھی۔ اس نے اندھا دھند مصر پر حملہ کر دیا۔ نکتا بنو بادشاہ مصر نے یونان سے کچھ فوج اور کچھ افسر لالچ دے کر منگوا لئے اور اوچس کو شکست فاش دے کر پسپا کیا۔ اب بغاوت کی وبا جا بجا پھیلنے لگی۔ جنگ مصر سے ایک سال بعد یعنی 350 قبل مسیح ملک فونیشیا نے مصر سے معاہدہ کر کے وہاں کی فارسی افواج کو فنا کر دیا اور خود مختار ہو گیا۔ سائپرس نے بھی فونیشیا کی پیروی کی۔ اب اوچس نے فونیشیا اور مصر کو ایک ہی دفعہ فتح کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ فوج عظیم جمع کر کے اوچس نے اولاً شہر سدون دارالخلافہ فونیشیا کو فتح کیا اور وہاں قتل عام شروع کر دیا۔ باشندگان نے مایوس ہو کر شہر کو آگ لگا

دی اور جل کر راکھ ہو گئے۔ وہاں سے مظفر و منصور ہو کر اوچس مصر کی طرف بڑھا۔ راستے میں یونان کی فوج بھی اس سے شامل ہو گئی اور اس طرح سے ایک بے شمار لشکر کو ہمراہ لے کر اوچس نے مصر کو بھی فتح کر لیا۔ بادشاہ مصر تو وہاں سے ملک اتھی اوپیا کی طرف بھاگ گیا اور اوچس ملک کو تاخت و تاراج کرنے لگا۔ شہروں کی دیواریں گرادیں اور اپنے ہمراہی یونانیوں کو لوٹنے کی اجازت دے دی۔ اس طرح ملک کو پامال اور اپنے تئیں مالا مال کر کے اوچس فارس کو واپس آیا۔ اب تو اغیار اس جور و تعدی کو دیکھ کر دہشت سے خاموش ہو گئے اور فارسی اوچس کی تعریفیں کرنے لگے۔ جونہی اوچس کو خانہ جنگیوں سے فرصت ملی۔ مدبران ملک نے اسے مقدونیہ کی طرف متوجہ کیا۔ کیونکہ یکا یک یہ ملک طاقت میں ایسا بڑھ گیا تھا کہ یونان خاص بھی ہیبت سے تھرارہا تھا۔ اس لئے دربار فارس میں اس امر کی تجویزیں ہونے لگیں کہ اس مار آستین کو فنا کرنے میں جلدی کی جائے۔ 340 قبل مسیح اوچس نے ایک لشکر جرار کو روانہ کیا۔ جس نے فلپ بادشاہ مقدونیہ کو شکست دی۔ ابھی فارس کے حریف کمزور نہیں ہو چکے تھے کہ خانہ جنگیوں کا بازار پھر گرم ہو گیا۔ بکاوس نے 338 قبل مسیح اوچس کو قتل کر کے اپنے چھوٹے بیٹے راس کو تخت نشین کر دیا۔ بکاوس کا مقصد یہ تھا کہ اس کا بیٹا جو ابھی کم سن ہے برائے نام بادشاہ ہو گا اور اختیار سب اسی کے ہاتھ میں رہے گا مگر لڑکا چالاک نکلا اور رفتہ رفتہ اپنے باپ سے اختیار چھیننے لگا۔ اس پر بکاوس نے خشمگین ہو کر اپنے تمام بچوں کو قتل کر دیا اور ایک دوست مسمی کودمان کو تخت فارس پر متمکن کیا۔ کودمان نے تخت نشین ہوتے ہی اپنا نام دارا رکھ لیا۔ اسی سال یعنی 336 قبل مسیح شاہ مقدونیہ مقتول ہوا اور تخت سلطنت پر اسکندر اعظم نے جلوس کیا۔ الغرض یہ دونوں بادشاہ جنہوں نے دنیا کی تاریخ میں اس قدر شہرت حاصل کی ہے۔ ایک ہی وقت حکمران ہوئے۔

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر
کان موبمو بگوید احوال ملک دارا

افسوس ہے کہ دارا کی تخت نشینی سے پہلے مرض زوال ملک پر کافی اثر کر چکا تھا۔ اس لئے اس بادشاہ کی دانائی اور لیاقت جس میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ اس مریض جان بلب کو شفا دینے کے قابل نہ تھی۔ ادھر فلپ کی وفات پر ملک مقدونیہ کو بجائے نقصان کے یہ فائدہ ہوا کہ اسکندر جیسا لائق اور فن سپاہ گری سے ماہر بادشاہ حاکم ہوا اور جس کے سامنے فارس کے باغ خزاں رسیدہ کا اجڑنا محال نہ تھا۔ سکندر نے تخت نشین ہوتے ہی فارس کے مقبوضات پر جنگ شروع کر

دی اور جونہی مقامات تھریس اور بوشیا پر اس نے اپنی جنگی لیاقت کا اظہار کیا۔ دارا نے اپنی فوج کی طاقت کو بڑھانا شروع کر دیا۔ مگر وہ فوج اور انتظام جس کے بگاڑنے میں کئی سال لگے تھے۔ کیونکر یک بیک وقت یونان سے برابری کرنے کے قابل ہو جاتی۔ دارا نے ملک سے بہادر سپاہیوں کو جمع کیا اور اردگرد کی ریاستوں میں سے بھی زر کا لالچ دے کر مردان نبرد آزما کو منگوایا۔ سیمون نامی ایک لائق افسر کو یونانی سپاہ پر سپہ سالار مقرر کر کے دارا نے ایشیا کے شمال مغربی حصوں کی طرف روانہ کیا۔ اس لائق افسر نے اپنی سپہ گری کے جوہر ابتدا ہی میں دکھا دیئے اور مقدونیہ کی فوج کو جو کالاس کے زیر فرمان تھی، شکست فاش دی۔ اس فتح کے بعد فارسی کچھ ایسے غافل ہو گئے کہ اسکندر ایسے بے نظیر دشمن کی بھی پرواہ نہ کی۔ جب سکندر مقام ماسیا پر پہنچ کر اپنی فوج کو جہازوں میں سے اتارنے لگا تو انہوں نے کچھ مزاحمت نہ کی اور جب وہ صحیح وسالم خشکی پر سے اتر کر آگے بڑھنے لگا تو فارسیوں نے اس کے مقابلے کے لئے جانا چاہا۔ سیمون نامی ایک یونانی افسر نے اس تدبیر کی مخالفت کی اور کہا کہ مناسب ہے کہ ہم یہاں کے سب شہروں کو آگ لگا دیں اور خفیہ طور پر سکندر کے جہازوں کے پاس پہنچ کر ان پر سوار ہو جائیں اور یورپ میں پہنچ کر سکندر کے ملک پر حملہ کر دیں۔ اس تجویز سے سکندر کی ساری امیدیں ہمیشہ کے لئے خاک میں مل جاتیں اور اس کی وہی مثال ہوتی کہ "نہ جائے رفتن و نہ پائے ماندن" ایشیا میں ٹھہرنا چاہتا۔ تو فاقہ کشی سے تباہ ہو جاتا کیونکہ اردگرد کے شہر جل گئے ہوتے اور اپنے ملک کو بھی واپس جانے کے قابل نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کے جہاز فارسیوں کے قبضے میں ہوتے مگر شامت اعمال فارسیوں نے ایسی قیمتی تجویز سے اتفاق نہ کیا اور ہٹ دھرمی کر کے سکندر سے لڑنے کو بڑھے۔ واضح رہے کہ یہ فوج نہ تو تعداد میں اور نہ فن محاربہ میں سکندر کی فوج سے بہتر تھی۔ جبکہ فارسی سکندر سے لڑنے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک ندی آئی۔ سکندر ندی کے پرلے کنارے فارسیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ یہاں بھی فارسیوں نے حماقت میں پیش قدمی کی اور دریا سے پار جانے کی کوشش کرنے لگے۔ جونہی فارسی رسالہ دریا میں داخل ہو گیا۔ سکندر نے اپنا رسالہ دریا کے کنارے پر کھڑا کر دیا۔ اب ایک تو سکندر کی فوج قواعد دان دوسرا عمدہ موقع پر تھی۔ اسی لئے فارسیوں کے سواروں کا بہت سا حصہ تو فنا ہو گیا اور باقی بھاگ نکلے۔ یونانیوں کا ایک دستۂ فوج جو فارسیوں کی مدد کے لئے آیا ہوا تھا آخری دم تک لڑتا رہا۔ حتیٰ کہ بیس ہزار میں سے صرف دو ہزار زخمی ہو کر رہ گئے باقی سب کے سب قتل ہو گئے۔ اس لڑائی میں فارسیوں کی تو

دلاور ترین فوج نابود ہوگئی۔ مگر سکندر کے صرف دوسو آدمی کام آئے۔ اب تمام ایشیائے کوچک سکندر کے سامنے کھلا پڑا تھا۔ یکے بعد دیگرے سب ریاستوں پر تسلط بٹھانے لگا۔ اسی زمانے میں افواج فارسی کا مشہور افسر میمیتون نامی فوت ہوگیا۔ جس سے ان کی رہی سہی آس بھی ٹوٹ گئی۔ کیونکہ اسی لائق افسر کے طفیل ایشیا کے یونانی فارسیوں کی مدد کرنے آتے تھے۔ بہرحال داراحتی الوسع ایک بڑی فوج جمع کر کے سکندر کے مقابلے کے لئے بڑھا اور مقام سوچی کے کھلے میدان میں انتظار کرنے لگا۔ مگر سکندر ایک آدھ روز بیمار رہنے کی وجہ سے میدان جنگ میں آنہ سکا۔ دارا نے بیتاب ہوکر اسے تلاش کرنا شروع کیا اور مقام اسوس تک پہنچ گیا۔ سکندر وہاں بیمار یا زخمی سپاہیوں کو چھوڑ کر خود میدان جنگ کو چلا گیا تھا۔ دارا نے اپنا جوش ظاہر کرنے کے لئے بے چارے مریض سپاہیوں کو راہی ملک عدم کیا۔ سکندر کو بھی خبر مل گئی کہ دارا اب مقام اسوس میں ہے اور بیمار سپاہیوں کو قتل کر رہا ہے۔ یہ سن کر خوشی سے سکندر کی باچھیں کھل گئیں۔ یہ موقع اس کے حق میں ازحد مفید تھا۔ مقام اسوس تنگ ہونے کی وجہ سے دارا اپنی کثیر التعداد فوجوں سے کام نہیں لے سکتا تھا۔ اس لئے سکندر نے بڑے اطمینان سے صف آرائی کی۔ دارا نے یونان کی امدادی فوج کو وسط میں اور ایشیائی سپاہ کو میمنہ، میسرہ اور اردگرد کی چند پہاڑیوں پر کھڑا کر دیا۔ جونہی دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ سکندر نے آہستہ آہستہ اپنی فوج کو آگے لانا شروع کیا۔ حتیٰ کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے تیر کی زد پر تھیں۔ سکندر نے بذات خود اپنے خاص سواروں سے فوج کے وسط پر حملہ کیا۔ بازوؤں کی فوج تو پہلے ہی پسپا ہو رہی تھی۔ اب تاب مقاومت نہ لا کر تمام فوج بھاگ نکلی۔ سکندر نے تعاقب کر کے بے شمار کو تہ تیغ کیا۔ کرتیس مؤرخ یونان لکھتا ہے کہ اس جنگ میں ایک لاکھ دس ہزار کے قریب فارسی کام آئے۔ حالانکہ فوج سکندر کے مقتول سو سے متجاوز نہ تھے۔ علاوہ بہت سے مال واسباب اور افسران سپاہ کے بادشاہی کیمپ بھی سکندر کے ہاتھ آیا۔ اس کیمپ میں ملکہ بمعہ دو بیٹوں اور ایک معصوم بچہ کے تھی۔ علاوہ اس کے شاہ فارس کی بہن اور کئی اور شہزادیاں سکندر کے ہاتھ میں گرفتار ہوئیں۔ مقام اسوس کی فتح میں سکندر کی کچھ بہت بڑی قابلیت ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ بوجہ تنگ مقام اور فارسیوں کی بدانتظامی کے سکندر کی کامیابی یقینی تھی۔ اس فتح کے بعد سکندر تو مصر اور فونیشیا کو مطیع کرنے میں مشغول ہوا اور دارا بار دیگر لڑنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ آخرکار 331 قبل مسیح سکندر باقی فتوحات سے فراغت حاصل کر کے پھر ایشیا کی طرف مائل ہوا۔ اور اب اس کی فوجی طاقت بھی خوب بڑھ چکی تھی۔ دارا اپنے

عیال و اطفال کی مفارقت میں شب و روز مغموم رہتا تھا۔ اس نے سکندر کو ان کی رہائی کے لئے لکھا۔ مگر سکندر نے جواب دیا کہ اگر مجھے ایشیا کا مالک مان لو اور اپنے تئیں میرے حوالے کر دو۔ تو میں انہیں واپس بھیجنے پر راضی ہوں۔ لیکن اگر بادشاہت چاہتے ہو تو مرد میدان بنو اور بھاگ نہ جانا۔ چھ مہینے کے بعد دارا نے ایک اور پیغام بھیجا اور اپنے عزیزوں کے صلے میں چوبیس لاکھ روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ اور ساتھ ہی اس شرط پر سکندر سے صلح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کہ اسے دریائے فرات سے پرے کا سب ملک دیدے گا اور سکندر سے اپنی بیٹی کی بھی شادی کر دے گا۔ مگر سکندر نے نہایت غیر مودبانہ جواب لکھا یعنی ''دولت اور ملک دینے سے دارا کی مراد کیا ہے۔ کیا اس کا سب خزانہ اور ملک (بادشاہ کی بیوی اور لڑکیوں سے مراد ہے) ابھی سے سکندر کا نہیں ہے۔ اگر سکندر دارا کی لڑکی سے شادی کا خواہاں ہو تو وہ جب چاہے ایسا کر سکتا ہے۔ باپ کی رضامندی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دارا میرے رحم کا طلب گار ہے تو اپنے تئیں میرے حوالے کر دے۔''

اس جواب سے دارا کا دل جل کر کباب ہو گیا۔ مگر اسے اتنا یقین ضرور تھا کہ سکندر اس کے عیال و اطفال پر ظلم نہیں کرے گا۔ اب دارا نے فوج کو آراستہ کرنے کے لئے طرح طرح کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لمبے بھالے ایجاد کئے گئے، رتھوں کو مکان کی طرح محفوظ بنایا گیا۔ ہندوستان سے لے کر قوم البن تک سے فوجیں منگوائی گئیں اور یہ لشکر عظیم جس کی تعداد قریباً دس لاکھ تھیں، پچیس قوموں سے فراہم کیا گیا۔ دارا نے بابلون کے پاس پہنچ کر صف آرائی شروع کر دی اور جابجا آہنی کانٹے بچھا دیئے۔ تاکہ دشمن کی سپاہ کو نقصان پہنچے۔ ہند کے فیلان جنگی ایک طرف اور محفوظ رتھیں دوسری طرف کھڑی کی گئیں۔ سکندر نے بھی مقابل میں آ کر فوج کو آراستہ کیا۔ مگر اپنی فوج کی کم تعدادی کے باعث اس نے ایک دن غور و فکر ہی میں گزار دیا۔ جونہی صبح کے قریب سکندر اپنی تدبیروں کو مکمل کر چکا اس نے فوج کو تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ اب سکندر نے اپنی فوج کو اس طرف بڑھانا شروع کیا۔ کہ جس وقت دونوں فوجیں قریب ہوئیں تو درمیانی زمین مثلث شکل کی تھی یعنی دونوں فوجوں کا ایک بازو تو متصل ہو گیا تھا اور دوسرا فاصلے پر تھا۔ اس چالا کی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارا کی فوج میمنہ مرکز سے جہاں دارا خود موجود تھا، جدا ہونے لگی۔ سکندر نے پہلے تو رتھوں کو جو مقابل میں تھے بیکار کیا اور پھر اپنی ایک طرف چال کو بدستور کیا۔ اب سکندر دارا کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ اپنے موقع کو پہچان کر سکندر چیدہ سواروں کو ہمراہ لئے دارا پر حملہ آور ہوا۔ جن سواروں

نے راستے میں مزاحمت کی انہیں قتل کرتا ہوا دارا کی سواری کے قریب جا پہنچا اور ایک ہی تیر سے کوچبان کا کام تمام کیا۔ قریب تھا کہ سکندر فوج دشمن میں گھر کر قتل ہو جاتا کہ یکا یک اس نے خود ہی غل مچا دیا کہ دارا مقتول ہو گیا ہے۔ اس خبر وحشت اثر کو سن کر فوج بے اختیار بھاگنے لگی۔ جب دارا نے دیکھا کہ سکندر کا یہ فریب کاری پڑا تو وہ میدان جنگ سے فراری ہوا اور مقام اربیلا میں پناہ گزیں ہوا۔

آرین لکھتا ہے کہ اس لڑائی میں فارس کے تین لاکھ سپاہی کام آئے اور بے شمار گرفتار کیے گئے۔ یہ سب شکستیں دارا کی بدقسمتی پر منحصر تھیں کہ اس نے سکندر کے فریبوں کو نہ سمجھا۔ ہاں عین آخری وقت دارا کا میدان جنگ سے بھاگ جانا کسی قدر قابل افسوس ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ سلطنت فارس کا آفتاب غروب ہونے کو تھا۔ بہادروں کی طرح میدان میں سر کٹانا ہمیشہ کے لئے دارا کو مستحق آفرین وتحسین بناتا۔ مگر نپولین کی طرح اس نے بھی جان کو قوم سے زیادہ عزیز سمجھا اور دو روزہ زندگی حاصل کرنے کے لئے دامن مردانگی کو داغ ندامت سے آلودہ کیا۔

کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجئے چشم تر ہرگز
بہت سا روئیے ان پر جو اس جینے پہ مرتے ہیں

City Book Point Karachi. Pakistan. Ph : 021-27 62 483